وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا

درستی قائم ہو چکنے کے بعد ملک میں برائی پیدا نہ کرو

المکالمة بین المتعلم و ابیه

یعنی

عدم تعاون پر باپ بیٹے کی گفتگو

مصنّفہ

خاکسار مولوی غلام محی الدین مولوی فاضل

عربک ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول امرتسر

روز بازار الیکٹرک پریس ہال بازار امرتسر میں باہتمام

شیخ عبد العزیز مینجر چھپا۔

نوٹ:۔ یہ کتاب دو پیسے کا ٹکٹ آنے پر مصنف سے مفت مل سکتی ہے۔

اپیل

مُسلم سکولز اور کالج کے جملہ طلباء سے خصوصاً اور عام مسلمین سے عموماً اس بات کی درخواست کرتا ہوں کہ وہ میرے اس رسالہ کو غور سے پڑھیں کہ جس میں میں نے سکولوں اور کالجوں کی تعلیم کو بائیکاٹ کرنا دلائل و براہین سے مضر ثابت کیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ مروّجہ تعلیم حاصل کرنے سے ہم پر کوئی حکم خلاف شرع عائد نہیں ہوتا۔ اور دیگر امورات میں بھی عدم تعاون کرنا حالات حاضرہ میں ہمارے لئے کوئی مذہبی حکم نہیں۔ بلکہ جس نوعیت میں یہ پیش کیا جاتا ہے وہ بانی اسلام اور صحابہ کے طریق کار کے سراسر خلاف ہے۔ نیز ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ اگر ہم نے موجودہ کشمکش کے زمانہ میں تعلیمی مراحل کو طے نہ کیا جس کو کہ برادران وطن مدت سے طے کر چکے ہیں تو ہمارا سیلف گورنمنٹ کے ملنے پر قومی حقوق طلبی میں کیا حشر ہوگا۔ سوچو تو سہی کہ اگر چندے تمہارا یہی حال رہا۔ تو تمہارا مستقبل کیسا تاریک ہو جائے گا۔ اور دوسری قوموں کی جو پہلے ہی تم سے ہر ایک شعبے میں آگے نکل چکی ہیں کس قدر پیچھے رہ جاؤ گے خدارا اپنے آپ کو اس موجودہ مضر نتائج پیدا کرنے والی تحریک سے بچاؤ۔ ورنہ قعر ذلت میں گرنے کے سوا اور کوئی ٹھکانا ہمارا نہ ہوگا۔ میں نے تو ایمانداری اور سچے دل سے آپ کو یہ مشورہ دیا ہے ع

مانو نہ مانو آپ کا یہ اختیار ہے

(مُصنّف)

غلام محی الدین فاروقی

(مولوی فاضل)

امرتسر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شیریں تراز حکایتِ ما نیست قصۂ
تاریخِ روزگار سراپا نوشتۂ

ایک طالب علم اور اس کا باپ ایک اسلامیہ سکول کے دروازہ پر کھڑے ہو کر یوں گفتگو کرتے نظر آتے ہیں جس میں لڑکا عدم موالات پر زور دیکر سکول میں جانے سے گریز کرتا ہے۔ لیکن اس کا باپ اس کے خلاف بحث پیش کر کے اسے لاجواب کر دیتا ہے۔

باپ ۔ آج بیٹا تم سکول میں کیوں نہیں جاتے۔

لڑکا ۔ جناب سکول جانے کو جی نہیں چاہتا۔ کیونکہ ہمارے قومی لیڈر کہتے ہیں کہ موجودہ تعلیم اور کورس بالکل نکما ہے۔ اور اس کے پڑھنے سے غلام بننے کے سوا اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ انگریزوں نے محض ہمارا دماغ خراب کرنے کے لئے اس قسم کا کورس تجویز کیا ہوا ہے۔ اس میں نہ تو دینی فائدہ ہے۔ اور نہ دنیاوی واقفیت۔ کسی نیشنل سکول میں جا کر پڑھونگا۔ کیونکہ وہاں کام بھی سکھایا جائیگا۔ اور تعلیم بھی اچھی ہوگی۔

باپ ۔ تم اس دل و دماغ کے ابھی مالک نہیں ہو کہ اپنا مستقبل سوچ سکو۔ میں اور تمہارے تمام رشتہ دار دادا پردادا چچے تائے اور برادری کے سارے افراد اسی تعلیم سے برسر اقتدار ہیں۔ کوئی محکمہ نہر میں ملازم ہے۔ کوئی انجنیر ہے۔ کوئی لارڈ صاحب کے دفتر میں ملازم ہے۔ کوئی ریلوے میں افسر ہے۔ اور کسی نے فوجی اقتدار حاصل کیا ہوا ہے۔ ساتھ ہی دنیاوی اعزاز اور عہدے بھی حکومت کی طرف سے پا رہے ہیں۔ کوئی مجسٹریٹ ہے۔ کوئی میونسپل کمشنر ہے۔ اور کوئی کونسل کا ممبر ہے۔ جس سے نہ صرف اس کی ذات کو فائدہ پہنچتا ہے۔ بلکہ مسلم قوم کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو رعایا کو حکومت کی طرف سے حاصل ہونے چاہئیں تھے۔ اگر کوئی معمولی سی بات بھی ہوتی ہے۔ تو یہ عہدہ دار گورنمنٹ کے کانوں تک

پہنچا دیتے ہیں۔ بچہ اگر یہ نہ ہوں تو مسلم افراد کی تمام شکایتیں گھر کی گھر ہی میں رہ جائیں۔ کوئی بھی نہ پوچھے کہ تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔ غیر مسلم اقوام اپنی آواز ایسی ملازمتوں اور اس طرح کے اختیارات سے دور دور تک پہنچا رہی ہیں۔ اور جس بات پر اڑ جاتے ہیں کر کے چھوڑتے ہیں۔ یہ اقتدارات قوم کی طاقت ہے۔ یہ نہ ہوں تو قوم نہ تینوں میں شمار ہوتی ہے اور نہ تیرہ میں۔ دیکھو پورے سوائے گھر کے سائیس اور دوکان دار کے کہیں نظر نہیں آتے۔

لڑکا۔ جمعیۃ العلماء نے فتویٰ دیا ہے کہ یہ تعلیم ناجائز ہے اس لئے میرا جی نہیں چاہتا کہ ایسی تعلیم حاصل کروں جس سے میں خواہ مخواہ کافر بنوں۔

باپ۔ جی ہاں! اب کفر و اسلام کی سوجھی۔ نہ نماز ہے نہ روزہ نہ والدین کی اطاعت اور نہ اسلامی کام سے واقفیت اور پاسداری۔

لڑکا۔ ابا جان! اسی تعلیم کی بدولت ہی تو ہم میں یہ تمام عادتیں پیدا ہو گئی ہیں۔ نہ ہمیں اسلام کا کچھ پتہ ہے۔ اور نہ اسلامی احکام سے ہمیں دلچسپی ہے۔

باپ۔ یہ تمہاری بد صحبت کا نتیجہ ہے ورنہ تعلیم میں کوئی نقص نہیں۔ اسلامیہ درسگاہوں میں یہ مدنظر رکھکر مشرقی زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔ عربی۔ فارسی۔ اردو اور دینیات پر خاص توجہ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ سکولوں میں بھی مشرقی زبانیں ہیں۔ اگرچہ دینیات نہیں۔ اب تم اگر خود حاصل نہ کرو تو تمہاری بدقسمتی ہے۔ تعلیم کا کیا قصور ہے؟ انگریزی تم کسی صورت میں نہیں چھوڑ سکتے۔ ورنہ اپنے کاروبار سے بھی رہ جاؤ گے۔ نیشنل سکولوں میں بھی اس زبان سے نفرت نہیں کی گئی۔ یہ تو بہرحال تمہیں پڑھنی پڑیگی۔ باقی رہا تاریخ و جغرافیہ سو وہ بھی اردو میں ہے۔ اور غیر لازمی۔ وہ پڑھو گے تو مطالعۂ قدرت کے علاوہ تمہاری اردو صاف ہوگی۔ سائنس کے جتنے علوم یا شاخیں ہیں۔ ان سے کسی کو نفرت نہیں۔ علمی و عملی حصے دونوں ایسے کارآمد اور مقبول ہو رہے ہیں کہ زیادہ تر انہی پر زور دیا جاتا ہے۔ ٹائپ اور شارٹ ہینڈ از حد مفید سمجھا گیا ہے کیونکہ یہ تجارت اور صنعت و حرفت کا جزو اعظم سمجھے گئے ہیں حساب سے بھی کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کسور عام کا حساب نہ سیکھو گے تو تجارت کی مشکلات کیسے حل کر سکو گے۔ سود در سود یا اربعہ متناسبہ کی مشق نہ ہو گی تو لاکھوں اور کروڑوں کے بنج کیسے ہونگے۔ خود نہ جانو گے تو کوئی حساب دان منشی رکھنا پڑیگا۔ بہرحال اس سے بھی رہائی مشکل ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ کس طرح موجودہ تعلیم ہمیں مضر ہے؟ اگر خود جی چراتے ہو تو بتاؤ میں سکول سے اٹھا لوں آوارہ پھرو چند ایام میں تمہیں خود سمجھ آ جائے گی کہ او ہو ہم نے کیا کیا؟

لڑکا۔ پھر اتنا شور کیوں ہو رہا ہے کہ ایسے سکولوں میں داخل ہونا چھوڑ دو کہ جنہیں گورنمنٹ سے مالی امداد لی جاتی ہے۔

باپ۔ یہ سوال دوسرا ہے۔ نصاب تعلیم سے اس کو کچھ تعلق نہیں۔ لو میں یہ بھی سمجھا دیتا ہوں گورنمنٹ نے موجودہ تعلیم کی وسعت کے واسطے مختلف سہولتیں پیدا کی ہیں۔ جن میں سے پہلی سہولت یہ ہے کہ کاشتکاروں سے چندہ لیکر گورنمنٹ اپنے پاس رکھتی ہے۔ اور حسب ضرورت ترقی کے مطابق تمام سکولوں پر تقسیم کرتی ہے۔ یہ انتظام نہ ہو تو معلوم نہیں کیا دقتیں پیش آئیں۔ خود سوچ کر دیکھو کہ جن کے پاس اپنا زر نقد یا مستقل جائداد نہیں وہ سال بسال جلسہ کرتے ہیں جس میں زیادہ تر وعدے ہوتے ہیں جو وصول نہیں ہوتے۔ اور جلسہ کرنے پر اس قدر روپیہ صرف ہو جاتا ہے کہ آمدنی یا چندہ سے پورے کر کے باقی روپے سے سال تک خرچ بمشکل پہنچتا ہے۔ پھر بھی بہت سی انجمنوں کے کام ادھورے رہ جاتے ہیں۔ اور مقروض ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ سرکاری چندہ سے انہیں کافی امداد دی جاتی ہے۔ فرض کرو کہ اگر وہ بھی نہ ہو تو معلوم نہیں کہ ایسی انجمنیں کہاں تک مقروض ہو کر نیست و نابود ہو چکتیں یا اسقدر ترقی نہ کر سکتیں جو اب دیکھ رہے ہو۔ سوچ کر دیکھو تو یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ گورنمنٹ ہمارے لئے سالانہ چندہ کر رہی ہے۔ ورنہ وہ کاشتکاروں سے اگر صرف اپنا زر معاملہ ہی وصول کیا کرے تو اس کا کیا نقصان ہوگا۔ مگر یہ بتاؤ کہ گھر بیٹھے بٹھائے سکولوں کو اتنا روپیہ کہاں سے ملیگا اور کارروائی کیسے چلے گی۔ یا کاشتکاروں سے چندہ کیسے وصول ہوگا۔ سرکاری معاملہ ادا کرنے میں تو کاشتکار اور مالکان ارضی اس قدر دق کرتے ہیں کہ سرکار کو بعض دفعہ قانونی کارروائی سے کام لینا پڑتا ہے پھر تمہیں آزادی سے کون چندہ دیا کرے گا؟ شورش پھیلانے والوں نے یہ سوچ رکھا ہے کہ زمینداروں سے چندہ ہم خود وصول کیا کریں گے۔ مگر یہ خام خیالی ہے۔ مسلم زمیندار کب غیر مسلم سکول کو چندہ دیں گے۔ یا غیر مسلم زمیندار کب گوارا کریں گے کہ ایسے سکولوں میں چندہ دیں کہ جہاں قرآن شریف یا دینیات کی تعلیم ہو۔ موجودہ اتحادی جلسوں میں تم بتا سکتے ہو کہ کبھی ایک قوم نے دوسری قوم کے مفاد کے لئے چندہ دیا ہو۔ موجودہ اتحاد صرف زبانی ہے اور وہ بھی چند افراد میں۔ زمیندار اس سے متاثر نہیں ہیں۔ اور نہ ان کے متاثر ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔

لڑکا۔ پھر جمعیۃ العلماء نے کیوں فتوے دیا ہے کہ ایسی امداد حرام ہے؟

باپ۔ بچہ تم سمجھتے نہیں ہو۔ کسی نے فتوے نہیں دیا۔ ہاں جمعیۃ العلماء کے ناظم صاحب نے اپنا ذاتی فتوے شائع کیا تھا کہ جس میں کھینچ تان کر موجودہ تعلیم سے نفرت دلائی تھی۔ بعد میں مولانا مولوی محمود الحسن صاحب

کا بھی فتوےٰ شائع کر دیا گیا تھا کہ جس میں مولانا خود معترف ہیں کہ میں مفتی نہیں ہوں۔ جس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ بھی لوگوں کا اس فتوے پر کاربند ہونا فرض نہیں سمجھتے نومبر کے تیسرے ہفتہ میں جمعیۃ العلماء کا اجلاس ہوا تھا تو وہ بھی سیاسی پہلو لئے ہوئے تھا اور مذہبی پہلو سے بالکل خالی تھا۔ پہلے دن صدر جلسہ کی تقریر تھی دوسرے دن مہاتما گاندھی کی اور تیسرے دن ان ڈیلی گیٹوں کی ایک سب کمیٹی منتخب کر کے اس میں دس ریزولیوشن پاس کر لئے اور ایک عام جلسہ میں انہیں پڑھ کر سنا دیا۔ پس تم خود جانتے ہو کہ ایسے جلسوں میں جس کی ہوا بندھی ہوئی ہو اسی سے اتفاق ہوتا ہے۔ اور تحسین کے نعرے بلند ہوتے ہیں کیونکہ وہاں سب لطف اٹھانے کی خاطر داخل ہوئے تھے۔ اور ایک جماعت ان میں سے نووارد مسافروں کی بھی تھی۔ کہ جن کو بلا امتیاز مولوی تصور کر لیا گیا تھا۔ ورنہ نہ مسئلہ موالات پر بحث ہوئی۔ نہ مخالفین کو مدعو کیا گیا۔ اور نہ ہی وقت دیا گیا کہ کوئی اپنے شکوک پیش کر سکے۔ ہاں بحثیں ہوئیں مگر دیگر امور پر۔ لیکن اصل مسئلہ پر کسی کو بحث کا موقع نہیں دیا گیا۔ کیونکہ وہ خوب جانتے تھے کہ بحث سے اختلاف رائے ضرور پیدا ہو جائیگا اور یہ دس ریزولیوشن پاس نہ ہونگے۔ اب تم خود ہی فیصلہ کر دو کہ یہ صرف ریزولیوشن تھے یا فتوے۔ اور ریزولیوشن اور فتوے میں بہت فرق ہے۔ ریزولیوشن صرف تجویز کا نام ہے خواہ اس پر مذہبی جھلک پڑے یا نہ پڑے۔ آج ہمارے گھر چار مولوی صاحبان مہمان آ جائیں۔ اور وہ ہمیں سرسوں کا ساگ کھانے کے لئے کہیں تو کیا یہ بھی فتوےٰ ہو جائیگا؟ نہیں یہ صرف تجویز ہوگی جس کے خلاف کرنا بھی ہمارا اختیار ہوگا۔ اور کسی طرح کفر کا بھی اندیشہ نہیں ہوگا۔ باقی رہا یہ خیال کہ جو کچھ مولوی صاحبان مشورہ دیں وہ شرعی فیصلہ سمجھا جاوے بالکل غلط ہے۔ خود حضور علیہ السلام کا کلام دو قسم تھا ایک بنیادی مشورہ دوسرا دینی حکم۔ امر اول کی نسبت خود آپ نے غیر واجب التعمیل ہونے کا ارشاد فرمایا تھا۔ اور کئی جگہ اس میں تبدیلی واقع ہوئی۔ چنانچہ آں جنابؐ کے تبدیل رائے میں جنگ بدر کے قیدیوں اور کھجوروں میں پیوند لگانے کا واقع کافی ثبوت ہے۔ امر دوم کی نسبت قرآن شریف نے تصریح کر دی ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ آپ یوں ہی نہیں کہا کرتے صرف پیغام الٰہی پہنچاتے ہیں۔ پس جب حضور علیہ السلام کی عام گفتگو یا رائے زنی کی نسبت خدائی حکم ہونا ضروری نہیں تو مولوی صاحبان کے عام مشورہ کی نسبت یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ جو بھی وہ کہیں حکم الٰہی ہوگا۔ اور اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ یا غلطی کا امکان نہیں؟

لڑکا۔ آخر پھر بھی کوئی بات تو ہوگی کہ جس پر اراکین خلافت اس قدر زور دے رہے ہیں۔ کیا وہ سارے کے سارے ہٹ دھرمی کر رہے ہیں؟

باپ - ہاں بیٹا ان کے پاس اپنے دعوے کا کوئی ثبوت نہیں۔ صرف آیات و احادیث کو کھینچ تان کر اپنی مطلب برآری کرتے ہیں۔ اور ان کے اصلی مفہوم کو بےموقع استعمال کرتے ہیں۔ ہمیں صرف یہ اعتراض ہے کہ موجودہ واقعات اس قابل نہیں ہیں کہ ان پر یہ احادیث و آیات چسپاں کی جاویں۔ ورنہ کسی کو قرآن سے انکار ہے۔ اور نہ احادیث میں شک۔ یہ یقینی بات ہے کہ جمعیۃ العلماء کا متفقہ شرعی فتوے ابھی تک قرار نہیں پایا۔ صرف زبانی جمع خرچ ہے۔ یا ایک دو مختلف مولوی صاحبان کی تحریریں ہیں اور بس۔ فریق مخالف کے پاس بھی کوئی متفقہ تحریر نہیں۔ انفرادی طور پر ان کی طرف سے بھی تحریریں شائع ہو رہی ہیں جن میں سے مولوی احمد رضا خان صاحب کی تحریر ہے۔ اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کا مضمون خیال کیا جاتا ہے۔ اور بھی بہت تحریریں ہیں کہ جن کو فتوے تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے سیاسی نکتۂ خیال سے پُرمعنی مضامین ثابت ہوئے ہیں۔

لڑکا - یہ آپ نے کیا کہا کہ ارباب خلافت موقع شناس نہیں ہیں۔

باپ - ہاں سچ ہے تمہیں معلوم ہوگا کہ پچھلے دنوں جمعیۃ العلماء کا متفقہ فیصلہ شائع ہوا تھا کہ (۱) انگریزوں کو جزیرۂ عرب سے نکال دو (۲) شریف مکہ واجب القتل ہے (۳) خلیفۃ المسلمین اب بھی خلیفۃ المسلمین ہے اگرچہ حرمین شریفین پر ان کا اقتدار نہیں رہا (۴) اور یہ ضروری نہیں کہ خلیفۃ المسلمین قریشی ہوں یا آل رسول۔ یہ فتوے شائع ہوئے ابھی کچھ دن نہیں گزرے تھے کہ فوراً سرکاری اعلان سے ضبط ہو گیا چنانچہ آج ایک کاپی بھی دستیاب نہیں ہوتی۔ اور سنئے۔ اس سے پہلے ہجرت کے متعلق مختلف فتاوے شائع ہوئے تھے مستحب سے لیکر فرض واجب تک پہنچا دیا تھا۔ اور کسی نے یہاں تک لکھدیا تھا کہ ہجرت نہ کرنے والا کافر ہے۔ آخر میں حضرت ابو الکلام نے ایک رسالہ شائع کیا جس میں آپ نے ہجرت تو جاری رکھی۔ مگر کچھ شرائط مقرر کئے۔ اسی اثنا میں کچھ لوگ افغانستان سے واپس آئے جس سے آج تک پھر کسی کو ہجرت پر جرأت نہ ہوئی اور وہ سارے فتوے معلوم نہیں کہاں گئے۔ پس ان فتووں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ بےموقع استعمال ہوئے تھے۔ ورنہ گورنمنٹ مزاحم نہ ہوتی اور افغانستان سے مہاجرین واپس نہ آتے یا کم از کم ہجرت فرض رہتی۔ اسی طرح اہل دانش و بینش اب بھی کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایسا متفقہ فیصلہ یا فتوے شائع ہوگا تو اندیشہ ہے کہ موجودہ حالات اس کے مزاحم واقع ہوں۔ اس لئے ثابت ہوتا ہے کہ ایسے موقع پر اس قسم کے فتوے بیجا ہونگے۔ بہتر یہی ہے کہ تعلیم کا انتظام بدستور رہنے دیں۔ ہاں اس سے بہتر کوئی نصاب تجویز کیا گیا ہے تو نئے سکول کھول کر جاری کریں۔ قوم کو مفید ثابت ہوگا تو خواہ مخواہ مجبوراً اسے منظور کرے گی۔ خود گاندھی کا مقولہ ہے کہ کسی پر تشدد نہ کرو۔ یہ لوگ معلوم نہیں کیوں تشدد کر رہے ہیں

ہاں مجھے اور بات یاد آئی وہ یہ کہ پچھلے سال جب کانگریس میں ترک موالات کی تحریک گاندھی کی طرف سے پیش ہونے والی تھی تو بعض اراکین خلافت نے فوراً کچھ آیات واحادیث پڑھ سنائی تھیں جس پر مسٹر مالوی نے کہا تھا کہ "مولوی صاحب ہمیں تعجب ہے کہ چند ایام سے پہلے یہی آیات واحادیث ہندوؤں پر عائد کی جاتی تھیں اور حکومت کے لئے آیات اتحاد وانقیاد کا دم پڑھا جاتا تھا۔ آج وہی ہم ہیں وہی انگریز ہیں ان کی آیتوں کا تم نے رُخ ہماری طرف اور ہماری آیتوں کا ان کی طرف بدل دیا"۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ترک موالات میں وہ شامل نہیں ہوئے۔ صرف عدم شمولیت ہی کی شکایت نہیں بلکہ ترک موالات کا سخت مخالف ہے۔ ہندو (بنارس) یونی ورسٹی کے طالب علموں کو یہاں تک کہدیا تھا کہ جب تک ایک طالبعلم بھی رہیگا میں اپنی یونیورسٹی نہیں چھوڑونگا۔ میں تجربے میں بندر بند نہیں کرنا چاہتا۔ جو چاہتا ہے ابھی آزاد یونی ورسٹی میں چلا جائے۔ بعض واقع سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ لالہ لاجپت رائے نے بنارس یونی ورسٹی کے طالب علموں سے مخاطب ہوتے ہوئے اثنا تقریر میں یہ بھی کہدیا تھا کہ "ہم صرف مسلمانوں کو موجودہ ترقی سے روکنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہیں"۔

لڑکا۔ مجھے تو آپ نے لاجواب کر دیا مگر میری تشفی نہیں ہوئی۔ ایک مولوی صاحب ہیں وہ آپ سے نپٹیں گے۔ آج تو میں سکول چلا جاتا ہوں۔ چھٹی کے بعد دیکھا جائیگا۔ یہ لڑکا تمام دن سکول میں تعلیم پاتا ہے۔ چار بجے چھٹی ہوتے ہی مولوی صاحب کو ساتھ لیکر اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آگے والد صاحب بھی اپنے ہمخیال ایک دور اندیش اہل علم حکیم صاحب کو اپنے پاس بٹھائے ہوئے پہلے ہی تیار بیٹھے ہیں۔ مولوی صاحب اول الذکر کا نام لفظ مولوی سے شروع ہوتا ہے۔ اور دوسرے کا نام لفظ حکیم سے۔

مولوی صاحب۔ جناب عالی۔ کیا آپ ایسے سکولوں میں تعلیم دلوانے کے حامی ہیں جن کو سرکاری مدد ملتی ہے۔ حالانکہ موجودہ حالات میں سرکاری مدد لینا حرام قرار دی گئی ہے۔

حکیم صاحب۔ کیا آپ کے پاس سرکاری مدد کے حرام ہونے کی کوئی دلیل بھی ہے یا یونہی فرماتے ہیں۔

مولوی صاحب۔ فتوے کے رو سے یہ اصول قائم کیا گیا ہے کہ یہ موجودہ تعلیم چونکہ ہمیں انگریزوں کا غلام بنا دیتی ہے جو سراسر کفر ہے۔ اور اس خاص طرز تعلیم پر ہمیں مجبور کیا جاتا ہے کہ ہم گرانٹ لیتے ہیں اور نیز یہ بھی وجہ ہے کہ گرانٹ لینے سے موالات بالکفار لازم آتی ہے جس سے ہم کو قرآن شریف میں بار بار منع کیا گیا ہے۔ اور ترک موالات میں کسی قسم کا عذر قابل شنوائی نہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں بال بچے اور دیگر رشتہ داریوں کا عذر پیش کیا گیا تھا تو قرآن شریف نے تسلیم نہیں کیا تھا۔

حکیم صاحب۔ قرآن شریف کی آیات سے کسی مسلم کو انکار نہیں۔ احادیث کے سامنے سر تسلیم خم ہے۔

مگر یہ عرض ہے کہ زمانہ نبوت میں گرانٹ کا وقوع نہیں ہوا غالباً آپ اگر غور کریں تو خلفائے راشدین اور سلاطین ماضیہ کے وقت بھی یہ صورت نظر نہیں آتی۔ یہ صورت صرف برطانیہ حکومت کے عہد میں آج کل درپیش ہے جس کا پتہ قرون ماضیہ میں نہیں چلتا۔ اب اگر اس کی حرمت کا ثبوت دیا جائیگا تو اپنی طرف سے اسے کسی خاص حالت اور نوعیت پر لایا جائے گا جس کے متعلق کچھ آیات یا احادیث کا پڑھنا بھی آسان ہو جائے۔ مختصر یہ کہ حرمت گرانٹ کا نتیجہ حاصل کرنے کے لئے صغرٰے (نوعیت) آپ پیدا کریں گے۔ اور کبرٰے (نوعیت کا حکم) آیات و احادیث سے پیدا ہوگا۔ اس لئے آپنے دو دعوے کئے ہیں۔ اوّل یہ کہ گرانٹ موجب تقویت بازوئے سلطنت برطانوی ہے۔ کیونکہ اس سے مجبوراً ہمیں ایسی تعلیم حاصل کرنی پڑتی ہے کہ جس سے ہمیں خواہ مخواہ گورنمنٹ کا ملازم بننا پڑتا ہے۔ دوم یہ کہ تقویت بازوئے حکومت برطانیہ موالات بالکفار میں داخل ہے۔ اور وہ قرآن شریف کے رو سے حرام ہے۔ یہی دونوں دلیلیں اس وقت زیر تنقیح قرار دی جاتی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

(۱) کیا گرانٹ موجب تقویت بازوئے سلطنت برطانیہ ہے؟

(۲) کیا موجودہ تعلیم موالات میں داخل ہے؟

امر اوّل کی نسبت عرض ہے کہ گرانٹ درصل ایک چندہ ہے جو ہمارے ہی زمیندار بھائیوں سے زر مالگزاری کے ساتھ وصول کیا جاتا ہے۔ اور ہم ہی اپنے مدرسین پر خرچ کرتے ہیں۔ گورنمنٹ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں بقول گاندھی گورنمنٹ کی وساطت سے وصول ہوتا ہے۔ اور اسی کے ہاتھ سے تقسیم ہوتا ہے۔ اب اگر دست حکومت سے وہ ملوث ہوتا ہے تو یہ لوث اس قابل نہیں ہے کہ اس سے نفرت کیجائے ورنہ آج کل کی کوئی چیز بھی قابل استعمال نہیں رہے گی۔ کیونکہ سب پر بالواسطہ یا بلاواسطہ دست حکومت پڑا ہوا ہے۔ کم از کم اس کی زیر حفاظت ہمیں ہر چیز ملتی ہے ہم کس کس چیز کے چھوڑنے پر آمادگی ظاہر کریں گے اور کہاں سے بے لوث چیزیں حاصل کریں گے؟ حالانکہ رسول کریم کے عہد مسعود میں ہی اوّل اوّل مسلمانوں نے کفار مکہ سے تنگ آکر حبشہ میں ہجرت کی جہاں عیسائی حکمران کے زیر پناہ ہر قسم کی مدد لی یہاں تک کہ کھانے پینے اور دیگر ضروریات کی اشیا بھی حاصل کرتے رہے۔ باقی رہا امر دوم کہ "موجودہ تعلیم موالات بالکفار میں داخل ہے" سو اس کی نسبت بھی گزارش ہے کہ اصل غرض اس تعلیم سے جہاں تک واقعات گواہ ہیں وجہ معاش پیدا کرنا ہے نہ کہ عیسائی بننا یا ان کے ہمنوا ہونا۔ بلکہ موجودہ تعلیم ہی نے تو ہمیں بیدار کیا۔ اور اس قابل بنایا کہ آزادی حاصل کرکے اپنی گورنمنٹ قائم کردیں۔ تمہیں بتاؤ کہ لیڈروں میں سے کون کچھ جس نے انگریزی کی اعلٰے تعلیم حاصل نہ کی ہو۔ گاندھی ہی کو دیکھو کہ وہ خود بیرسٹر ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر کچلو

وعلیٰ ھذا القیاس مسٹر محمد علی تو بی اے اکسفورڈ یونیورسٹی کا ہے۔ ہاں مجھے یاد آیا کیا ان لیڈروں نے بیرسٹری اور دیگر بی اے وغیرہ کی ڈگریاں واپس کیں؟ ہرگز نہیں۔ کیوں یہ لوگوں کو بحکم دیگر آئندہ ترقی کرنے سے روکتے ہیں افسوس لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (الآیہ) پھر یہ حیرت کا مقام ہے کہ ہندو قوم (غیر مسلم) میں جذب ہونا ہمیں کافر نہیں بناتا۔ شعائر اسلام قربانی وغیرہ کا ترک کرنا ہمیں پکے مسلمان قرار دیتا ہے۔ قشقہ لگانا اور بتوں کی تکریم و تعظیم ہمیں اسلامی مجرم تصور نہیں کرنے دیتا۔ مگر عیسائی سلطنت کے تحت میں وجہ معاش پیدا کرنا خصوصاً جبکہ ہمیں تعلیم دین سے بھی رکاوٹ نہیں فوراً کافر بنا دیتا ہے۔ کیا اسلام میں یہ جائز نہیں رکھا گیا کہ تعلیم سحر بھی موجب کفر نہیں۔ اگرچہ اس پر عمل پیرا ہونا کفر ہے۔ اور کیا صحابہ رضوان اللہ عنہم کے زمانہ میں غیر زبان سیکھنے میں کوشش نہیں کی گئی۔ گو وہ زبان اسلامی نہیں تھی۔ کیا خود حضور علیہ السلام غیر زبان کے الفاظ اعجاز کے طور پر استعمال نہیں فرماتے تھے؟ کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے مصری زبان نہیں سیکھی تھی۔ کیا آج خود ارکان خلافت کا یہ فیصلہ نہیں کہ انگریزی تعلیم ہمیں تبلیغ اسلام میں کار آمد ہے۔ اور جب تک موجودہ ترقیات عالم پر نظر نہ ہو مخالفین پر کون سا حربہ استعمال کر سکتے ہیں۔ جب یہ ضرورت انگریزی زبان کی تعلیم جائز قرار دیتی ہے تو دوسرے علوم و فنون کی بھی مجوزہ ہوگی۔ بلکہ جیسے درس نظامیہ میں یونانی فلسفہ سائنس حکمت۔ اقلیدس وغیرہ عام واقفیت کے لئے زیر درس ہیں اگرچہ ان پر عملدرآمد نہیں۔ ایسا ہی موجودہ تعلیم بھی اسی طریق سے جائز ہو سکتی ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ایک لڑکا یہ تعلیم پاکر ولایت جائیگا اور وہاں یورپ کی محبت اور دلدادگی حاصل کریگا بالکل بودا خیال ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مہاتما گاندھی اور ڈاکٹر کچلو باوجود ولایت ہو آنے کے نہ تو یورپ کے دلدادہ ہیں اور نہ ہی عیسائیت کے۔ بلکہ دوسروں کی نسبت اپنے ہی وطن کے زیادہ محب اور اہل انگلستان کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اسلام میں سبب قریب پر فیصلہ کیا جاتا ہے۔ دور کے اسباب کو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا ہے کیا حضرت بریرہؓ کا واقعہ پیش نظر نہیں کہ آپ حضرت عائشہؓ کی غلام تھیں۔ اور آپ کو کسی نے گوشت صدقہ دیا تھا اور پکا رہی تھیں تو حضور علیہ السلام نے خود کھانے کے لئے طلب فرمایا تھا۔ اور گو اس نے یہ عذر بھی کیا تھا کہ حضور یہ صدقہ آپکے لئے حرام ہے۔ مگر آپ نے یہ فرمایا کہ صدقہ تھا تو صرف تیرے لئے۔ ہم تو تیری ملکیت طلب کرتے ہیں۔ اس قسم کے ہزاروں مسئلے کتب اسلام میں ہیں کہ جن کے مطالعہ سے بخوبی واضح ہو سکتا ہے کہ سبب درسبب کا سلسلہ اسلام میں بالخصوص فقہ حنفیہ میں تسلیم نہیں کیا گیا۔

مولوی صاحب۔ یہ مانا کہ سبب درسبب ایک بودی بات ہے۔ مگر شیخ الہند مرحوم نے حرمت گرانٹ کا فتوےٰ کیوں شائع کیا تھا؟ وہ تو پکے حنفی اور حنفی مذہب کے مستند استاد کل تھے؟

۲ حضرت یوسف علیہ السلام نے تورہائی پانے کے بعد حکومت مصر (جو کفار کی حکومت تھی) خود ملازمت کی درخواست کی جس کا بیان ذیل کی آیت میں بیان کیا گیا ہے قال اجعلنی علی خزائن الارض
انی حفیظ علیم یعنی آپ نے حکومت سے کہا کہ مجھے [illegible]

حکیم صاحب - آپ نے غور سے اس فتوے کو مطالعہ نہیں کیا - یوں ہی لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے - کہ انہوں نے گرانٹ لینا حرام کر دیا ہے - اور الحاق کو سبب کفر ٹھیرایا ہے - ذرا تکلیف فرما کر آپ نے پڑھا بھی ہے کہ نہیں ؟

مولوی صاحب - مجھے پڑھنے کا اتفاق نہیں ہوا مگر ہر کہ ومہ کی زبان سے تصدیق ہوتی ہے کہ معاملہ یوں ہی ہے جو میں نے پیش کیا - ورنہ بار بار نہ شائع ہوتا - اور اس کی تردید بھی ہو جاتی -

حکیم صاحب - حضرت شیخ الہند مرحوم پکے دانشمند اور خدا رسیدہ تھے - انہوں نے اپنے فتوے میں ایسے الفاظ استعمال فرمائے تھے کہ جن سے ارباب خلافت بھی راضی ہو گئے تھے - اور عامۂ اہل اسلام کی تکفیر بھی نہیں ہوئی تھی - مگر جاہلوں نے اسے تکفیر سمجھ رکھا تھا - آؤ ہم پڑھکر سناتے ہیں - اور ایک فقرے کا مطلب بھی سمجھاتے ہیں اور یہ بھی سمجھاتے ہیں کہ آپ نے کس طرح دونوں پہلو ملحوظ رکھے -

مستفتی کی طرف سے دس سوال کئے گئے تھے (گرانٹ کی حرمت - سکالرشپ کے وظائف - امدادی مدارس کو چھوڑنا - اپنے ضروریات چھوڑ کر خلافت میں لگ جانا - امدادی مدارس میں ملازمت یا تعلیم وغیرہ بیت المال خلافت سے قوت لایموت حاصل کرنا - سرکاری امدادی مدارس کے لوگوں سے میل ملاپ - اہل ہنود سے اتحاد امدادی مدارس کی موجودہ مالیت کا تحفظ - تبلیغ اسلام پر ترک موالات کو ترجیح (۱) اور آپ پہلو تہی کرتے ہوئے ایک سوال کا حکم بھی بیان نہیں فرماتے - جو کچھ بھی لکھا ہے صرف ترغیب اور غیرت دلانے کے لئے لکھا ہے - اور باقی رہا یہ کہ ایسی غیرت یا حمیت اسلامی کو مجوزہ طریق کانگریس کے طور پر استعمال کرنا یا کسی اور طریق پر کام کرنا اس کی نسبت آپ نے کچھ نہیں لکھا - آیات تولی کے بعد آپ لکھتے ہیں کہ "گرانٹ اور سرکاری وظائف قابل ترک ہیں اور طلبہ اپنے والدین کو تہذیب وادب کے ساتھ ترک موالات پر مستعد بنائیں" اس تحریر سے آپ نے مشورہ دیا ہے کہ آپ کے نزدیک ایسا کرنا بہتر ہے - اور اسی مشورہ کے تحت میں آپ نے تکالیف کا برداشت کرنا بھی گوارا قرار دیا ہے - (۲) پھر آپ ہندو مسلم اتحاد کی نسبت فرماتے ہیں کہ "اس کا یہ اثر نہ ہونا چاہئے کہ مسلمان اپنے کسی مذہبی حکم کو بدل دیں - یا شعائر کفر و شرک کو اختیار کریں" جیسا کہ موجودہ طریق اتحاد میں مسلمانوں نے گاؤکشی کو جو شعار اسلام اور مذہبی احکام کے تحت تھا یک قلم بند کر دیا - اور ہندو قوم اس حسن سلوک سے فائدہ اٹھا کر قانوناً بند کرانے کی کوشش کر رہی ہے - پس مسلمانوں کو غور کر لینا چاہئے کہ ایسی قوم سے مروت کرنا جو شعار اسلام کے مٹانے کے درپے ہو - احکام قرآنی کے تحت کیا حکم رکھتا ہے (۳) خلافت کمیٹی میں داخلہ کی نسبت لکھتے ہیں کہ "بقدر ضرورت اور ضروریات زندگی حاصل کر لینے کے بعد آج کل یہ مشغلہ نہایت ہی سود مند ہے" اور جن کے ذمہ حقوق واجبہ ہیں وہ اتنا ہی اس میں حصہ لیں - جہاں تک حقوق واجبہ میں

اغماض (کوتاہی) نہ ہو۔ (۴) بیت المال سے حق الخدمت لینے کی نسبت یوں رقمطراز ہیں کہ "بقدر ضرورت چندے سے لینا جائز ہے" (۵) اخیر میں وصیت کرتے ہیں موالات بالکفار حرام ہے۔ ہر ایک مسلم کو بچنا واجب ہے۔ صرف خدا کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔ (۶) ایک التماس بھی کی ہے کہ میں کوئی مفتی نہیں ہوں فتوے لکھنا دوسرے علماء کا کام ہے (۷) تحفظ مالیت کی نسبت آپ لکھتے ہیں کہ ہماری مالیتوں کی وقعت قسطنطنیہ شام وغیرہ سے زیادہ نہیں (۸) بالکل آخر میں تحریر ہے کہ ترک موالات کو کامیاب بنانے میں کوئی حرکت نقض امن یا سفک دماء (خونریزی) کا موجب نہ ہو اور یہی نصیحت عام دانشمندان ملک کی بھی ہے۔ ورنہ فائدہ کی جگہ نقصان ہوگا (۱۲ صفر ۳۹ھ)

یہ ہے خلاصہ آپ کی تمام تحریرات کا جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ:-

(۱) آپ نے فتوے نہیں دیا۔ آپ صرف ایک مفید مشورہ دیتے ہیں (۲) گرانٹ اور وظائف وغیرہ قابل ترک بتاتے ہیں حرام یا موجب کفر قرار نہیں دیا کیونکہ آپ صفحہ ۴ کے اخیر لکھتے ہیں کہ "یہ سوال استحباب اور فرضیت کی بحث کا نہیں بلکہ غیرت کا ہے" (۳) اس مشورے کی اشاعت میں تعدی اور زبردستی کی تحریک نہیں کی۔ بلکہ نہایت متانت سے کام لینے کے لئے لکھا ہے۔ مگر افسوس کہ ارکین خلافت سراسر اس کے خلاف عمل پیرا ثابت ہوئے ہیں۔ ہڑتالیں کرائیں۔ سٹرایک کا طوفان برپا کیا اور بچوں کو والدین سے شتر بے مہار کرا دیا۔ (۴) ہندوؤں سے اس قدر میل ملاپ جائز نہیں جو ارکان خلافت کر رہے ہیں۔ تلک کی تصویر پرستی۔ قربانی کا بند کرنا۔ گاندھی کو اپنا پیشوا تصور کرنا۔ قشقہ لگانا۔ انہیں اہل کتاب تصور کر کے رشتہ ناطہ پر آمادگی ظاہر کرنا اور ان کے مذہبی میلوں میں قلیوں کا کام دینا سراسر خلاف مشورہ ہے نیز خلاف شرع ہے۔ پس جب خود ارکین خلافت اس مشورہ پر کاربند نہیں رہے تو ہم پر کیا افسوس ہے؟ (۵) ملازمان حکومت یا افراد مدارس سے میل ملاپ کی نسبت آپ نے کوئی مشورہ نہیں دیا۔ ارکین خلافت نے خود اہمیت دیکر پاس کر لیا ہے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچا دی ہے کہ ہتک عزت خونریزی مقاطعت بین الاخوان والمسلمین تذلیل احیاء والاموات اور حکومت سے مقابلہ کرنے کے مرتکب ہو گئے ہیں۔ کیا یہی مولانا مرحوم کی نصیحت اور زرین مشورے کی وقعت تھی؟ اور کیا یہی پاس اسلام ہے؟ اور اخوت اسلامی (۶) مولانا نے خونریزی اور دنگہ فساد کا مشورہ نہیں دیا۔ مگر جو کچھ ہوا سو ہوا (۷) بیت المال خلافت سے بقدر ضرورت حاصل کر لینے کا مشورہ دیا ہے۔ مگر ارکین خلافت دل کھول کر سفر خرچ لیتے موٹروں اور سیکنڈ کلاسوں میں ٹریول کرتے اور خوب دعوتیں اڑاتے ہیں۔ کیا یہی مولانا کا مشورہ ہے؟ ہاں خوب یاد آیا کہ ارکین خلافت نے خلافت فنڈ سے حق الخدمت لینے کا سوال کر کے

کیوں اثبات ہی میں جواب حاصل کیا۔ کیا اس قسم کا سوال پیش کرنے سے پیشتر ہی خلافت فنڈ کے حصے بخرے کرنے کی نہیں ٹھان لی تھی۔ چنانچہ اب اخبار ریاست کے کالموں سے ایسی باتوں کا پتہ چلا کہ یہ لیڈر اپنی آمدنیوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر حق الخدمت لیتے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ مفت میں لیڈر بنے رہتے ہیں۔ اس لئے اگر کوئی حساب مانگے تو منہ کی کھائے۔ چنانچہ امرتسر کی خلافت کمیٹی کا حساب بارہا طلب کیا گیا مگر وہاں کون سنتا ہے طوطی کی نقار خانے میں والا معاملہ ہے۔ (۸) یہ تقویٰ تھا فتوے نہ تھا اور ایک زرین مشورہ تھا لیکن خواہ مخواہ لوگوں نے فتوے قرار دیدیا ہے اور مولانا کو بدنام کر رہے ہیں کہ آپ موجودہ طریق اسلام کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں۔ (۱۰) آپ نے مدارس اسلامیہ کے متعلقہ اموال و جائداد کی حفاظت کی نفی نہیں فرمائی بلکہ آپ نے نہایت تاسف اور حسرت کے پیرایہ میں یہ ظاہر کیا ہے کہ جب ترکی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا ہے تو ایسے اموال و جائداد کا کیا ٹھکانا ہے۔ اب اس سے یہ سمجھنا کہ آپنے مشورہ دیا ہے کہ موجودہ ہستی کے اسباب بھی ضائع کر دو بالکل خلاف عقل ہوگا۔ کون عقلمند تجویز کر سکتا ہے کہ جب کسی کے سات بیٹے ہوں۔ چھ مر جائیں اور ساتواں بالکل چھوٹا سا گنجا کا مارہ جلے۔ اور وہ افسوس سے کہے کہ اس بچے کی ان کے مقابلہ میں کیا نسبت ہے۔ یہ کہکر اسے گولی کا نشانہ بنادے۔ مان لیا کہ زوال ترکی کا از حد صدمہ ہے۔ مگر نہ بیخودی میں آکر اپنی موجودہ ہستی کو بھی جواب دے دینا قرین قیاس ہوگا درسگاہوں پر تو نظر پڑ گئی مگر جائدادیں۔ کارخانے اور مال و دولت کیا ہوئے۔ اس افسوس میں کیوں نہیں انہیں جلا کر راکھ کرتے۔ یا کم از کم قسطنطنیہ سمرنا وغیرہ کے یتیموں اور بیواؤں کے لئے اپنی کُل کی کُل جائدادیں فروخت کر کے روپیہ روانہ نہیں کرتے۔ تاکہ افسوس کا اظہار ہو اور قومی ہمدردی بھی۔ مگر یہ کیونکر ہو اپنا گھر اجڑتا ہے۔ اور اس میں دوسرے تباہ ہوتے ہیں۔ اس قدر جوش اسلامی صرف ان بزرگوں کی عرق ریزی پر آ ظاہر ہوتا ہے کہ جنہوں نے بصد مشکل آج عامہ اہل اسلام کو مرہون منت کیا تھا۔ کیا ان کی یہی قدر افزائی ہے کہ ان کی یادگاریں تباہ کرنے میں اتنی شد و مد ظاہر کی جاتی ہے۔ جو ادنیٰ سمجھ کا مالک بھی گوارا نہیں کر سکتا۔ فرض کیا کہ واقعی بدحواسی کا عالم ہے تو اپنے گھروں کو آگ لگانا کیوں نہیں شروع کیا جاتا رفاہ عام کے اسباب پر ہی کیوں اس جوش کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ذرا آنکھ کھول کر اسلامی کتب کا مطالعہ کرو کہاں لکھا ہے کہ فلاں وقت مسلمانوں نے جبکہ ان پر آج سے کئی گنا زیادہ مصائب آتے رہے اپنی ذاتی جائدادیں یا رفاہ عام کے اموال و اسباب اپنے ہاتھ سے تباہ و برباد کر دئیے ہوں یا کم از کم آمادگی ظاہر کی ہو۔ بلکہ یہ حکم ہے کہ متانت سے کام لو بدحواسی چھوڑ دو۔ میت پر تو حضور علیہ السلام نے کپڑے پھاڑنا منہ پیٹنا نوحہ کرنا اور سوگ کرنا حرام کیا ہے جس میں انسان بالکل بے بس ہو جاتا ہے۔ اور آپ کا صریح حکم ہی

(لیس منا من خرج) جو میت پر بد حواسی کا اظہار کرے۔ وہ ہم مسلمانوں میں ہی نہیں ہے (۱۱) اراکین خلافت اور کارکنان خلافت نے جو کچھ بھی کیا ہے اس تحریر کے خلاف کیا ہے۔ نہ خونریزی کی پروا کی۔ نہ نقص امن کا خیال رکھا اور نہ اپنے رعایا ہونے کی حیثیت ملحوظ تھی۔ بلکہ یہی سمجھ رکھا کہ ہم مالک ہیں حکومت قبضہ مخالفانہ جمائے ہوئے ہے۔ اس کا کوئی حق نہیں ہے کہ ہمارے ملک پر قابض رہے۔ مولانا کی آخری نصیحت کے خلاف کرنا ہی تھا کہ گورنمنٹ نے سڈیشن ایکٹ جاری کر کے خلافت کے جلسے باغیانہ قرار دئے اور جس قدر جوش پھیلانے والے تھے ان کو گرفتار کرنا شروع کر دیا۔ آخر آج یہ حالت ہے کہ کسی کو تاب نہیں کہ گرمجوشی میں کوئی تحریک پیش کرے۔ مولانا مرحوم کا فرمانا صحیح ہو گیا کہ ایسا کرنے سے نفع کی بجائے نقصان ہوگا سو ایسا ہی ہوا۔

اب بتائیے کہ اس زرین مشورہ کو کس منہ سے پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور زور دیا جا سکتا ہے کہ گرانٹ چھوڑ کر سکول نیشنل بناؤ۔ اور خواہ مخواہ گورنمنٹ کی آنکھ کا تنکا بن جاؤ۔ فرضاً اگر بعض ان زرین مشورہ کے ایک لفظ پر کاربند نہیں ہیں اور کافر قرار دئے جا سکتے ہیں۔ یا قابل مقاطعت تصور ہو سکتے ہیں تو بتائیے کہ اراکین خلافت یا اراکین کانگریس بالخصوص لیڈر صاحبان آپ کے بیسوں الفاظ پر عمل پیرا نہ ہونے سے اور اس کے خلاف کرنے سے کیا کچھ ہو سکتے ہیں۔

مولوی صاحب – یہ تو ثابت ہو گیا کہ مولانا کی تحریر فتوے نہ تھی محض تقوے کا ایک مشورہ تھا جس پر کاربند ہونا خاص خاص مردان خدا کا حصہ ہے۔ عامۃ مسلمین سے تو اس کی توقع قرین قیاس نہیں مگر یہ بتائیے کہ ان آیات کے کیا معنے ہونگے جو مولانا نے عدم موالات پر پڑھی ہیں۔ اور تولی بمعنے امداد باندھا ہے؟ آخر اس حکم کی تعمیل بھی واجب ہوگی۔

حکیم صاحب – مختصر جواب یہ ہے کہ اگر ایسی آیات سے حرمت امور عشرہ مسئولہ مندرجہ استفتا کی منطوق اور صراحۃً ثابت ہوتی تو مولانا مرحوم کا قلم کبھی نہ رکتا۔ صاف لکھدیتے کہ یہ امور عشرہ حرام ہیں۔ اور اس کا خلاف کفر صریح ہے۔ مگر آپ لکھتے ہیں کہ موالات بالکفار حرام ہے اور بس۔ پھر بعض امور کو موالات میں داخل کیا ہے۔ مگر تعجب یہ ہے کہ داخل کر کے بھی حرمت کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ صاف وجہ یہ ہے کہ تولی کا لفظ جو ان آیات میں مستعمل ہوا ہے وہ مشتبہ ہے۔ قرآن شریف میں یہ لفظ کبھی سرپرست اور مددگار کے معنے میں مستعمل ہوتا ہے جیسے (اَوْلِیَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ کہ ان کے سرپرست فتنہ پرداز ہیں) کبھی دوست اور خیر خواہ کے معنے میں جیسے (اِلٰی اَوْلِیَآئِهِمْ اپنے دوستوں کے پاس جاتے ہیں) کبھی معبود اور ماوا و ملجا کے معنے میں جیسے اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (خدا تعالیٰ مسلمانوں کا معبود ہے۔ اور کبھی مخلص اور خالص فرمانبردار

کے مفہوم میں جیسے (اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ یاد رکھو کہ خدا کے خاص بندوں پر کوئی خوف خطرہ نہیں) بہر حال جو بھی معنے ہو اس میں ایک طرف سے عجز و انکساری ہے۔ اور دوسری طرف سے علو اور استکبار ہوتا ہے۔ عام مفہوم مواصلت اور نزدیکی میں منحصر ہے۔ خواہ دنیاوی ہو یا دینی۔ اسی اصول پر مولیٰ چند وجوہ پر مستعمل ہوتا ہے۔ مددگار۔ معبود۔ دوست۔ سرپرست۔ خدا۔ چچازاد بھائی۔ آقا اور غلام وغیرہ جن کے درمیان مواصلت اور انقیاد کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جب یہ لفظ باب استفعال پر جا کر استیلاء کی شکل بدلتا ہے تو جانب غالب کی طرف سے زبردستی ظاہر کرتا ہے۔ اور جانب مغلوب کی طرف سے مجبوری اور کمزوری جیسے (استیلاء کفار۔ کفار کا غلبہ) وغیرہ۔ چونکہ یہ لفظ اپنے کئی معنے ادا کرتا ہے۔ اور حضرت مولانا مرحوم نے مددگار معنے لیتے ہوئے بعض مفسرین کا قول نقل کیا ہے اور مددگار کی تفصیل نہیں دی۔ کیونکہ زیر بحث ستفعات یا لمال ہے جس پر یہ لفظ پورے طور پر چسپاں نہیں ہوتا۔

مولوی صاحب۔ تولی کی بحث بیکار ہے۔ فرض کیا کہ اس کا مفہوم امداد میں ہی منحصر ہے تو اس صورت میں ان آیات سے کیسے رہائی ہوگی؟ ہاں یہ بحث ہو سکتی ہے کہ امداد لینے یا دینے کی وسعت کہاں تک ہے؟

حکیم صاحب۔ سچ پوچھتے ہو تو ان آیات کا اصل مفہوم کسی نے بیان نہیں کیا (بے ادبی معاف) مفتی نے محرکین عدم موالات کو خوش کرنے کے لئے اصل واقعات پر پردہ ڈالا ہے۔ اور کھینچ تان سے خواہ مخواہ گرانٹ پر عضوب دیا ہے کہ یہ گورنمنٹ کی امداد ہے۔ کیا گورنمنٹ گھر سے لا کر دیتی ہے؟ برائے نام اس کا نام امداد رکھا ہوا ہے۔ ورنہ ہماری ہی زمیندار بھائیوں سے ہمارے ہی تعلیمی انتظامات کے لئے انتظام کیا گیا۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ گورنمنٹ کا ہاتھ ضرور درمیان میں ہے۔ پس اگر اس سے بھی نفرت ہے تو یہ چاہئے تھا کہ ریل تار اور ڈاک خانوں سے فائدہ اٹھانا یک قلم ترک کیا جاتا کیونکہ ان میں تو گورنمنٹ کا پورا ہاتھ ہے۔

قرآن شریف کے دو حصے ہیں۔ ایک مکی سورتوں کا مجموعہ۔ دوم مدنی احکام کا دستور العمل۔ جب مسلمان مکہ شریف میں تھے۔ یا وہاں سے نکل کر حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی تھی۔ دونوں صورتوں میں مسلمان محکوم رعایا بنے رہے اور امن سے غیر مسلم حکمران اقوام کے تحت اپنی زندگی بسر کرتے رہے۔ مگر یہ زمانہ اسلامی نشو و نما کا تھا۔ اس نے اپنے فطرتی اصول سے کفار کے دلوں میں جگہ لینی شروع کی۔ اور فطرت سلیمہ کے مالک افراد انسانی پر قبضہ جمانا شروع کیا۔ جس کو حکمران قوم (مشرکین مکہ) نے برا منایا اور ہر قسم کی رکاوٹیں پیدا کیں۔ آدمی مقرر کئے کہ نو واردوں کو اسلام سے روک دیا جائے۔ اسلام قبول کرنے والوں کو ہمنٹ پتھر سے پیٹا۔ گرم ریت پر لٹایا۔ اکا دکا مسلمان ہاتھ آیا تو اس کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ خود حضور علیہ السلام کو طائف میں وہ تکالیف دی گئیں کہ آج اگر کسی لیڈر قوم کو ان کا کروڑواں حصہ بھی پیش آئے تو فوراً

لیڈری سے توبہ کر بیٹھے۔ مگر اس وقت اسلام اور مسلمان اس امر کے مجاز نہ تھے کہ مقابلہ میں آ کر تلوار اٹھاتے یا ان سے اپنا لین دین قطع کر دیتے۔ یا ان سے کھلم کھلا نفرت کا اظہار کرتے۔ یا حیلہ و فریب سے ان کو ایذا رسانی یا نقصان پہنچانے کے لئے کسی سے کوئی مشورہ لیتے یا کرتے۔ یا کسی غیر مسلم سلطنت کو اہالیان مکہ کے خلاف برانگیختہ کر کے برسر پیکار ہوتے۔ یا ملک میں نقض امن اور سفک دماء (خونریزی) کا باعث بنتے۔ یا جا بجا دنگہ و فساد کے لئے چھوٹی چھوٹی پارٹیاں بناتے۔ یا اپنے پاؤں جمانے کے لئے اور ان کی جڑ کاٹنے کے لئے بغاوت آمیز حرکات وقوع میں لاتے۔ یا ان کے سیاسیات میں خلل انداز ہو کر عوام الناس کے ولولے ایک ایذا رسان اور دق کرنے والے حالات میں پیش کرتے۔ یا کم از کم وہاں کے ناعاقبت اندیش افراد کو بھڑکا دیتے مگر چونکہ ایسی تمام حرکتیں۔ تمام کوششیں۔ تمام ارادے۔ تمام تجاویز اور تمام حکمت عملیاں سراسر فطرت انسانی کے لئے عموماً اور اسلامی تعلیم کے واسطے خصوصاً زہریلا اثر رکھتی ہیں جن سے اسلام لاکھوں دفعہ بیزاری ظاہر کر چکا تھا۔ اور پکار کر کہہ چکا تھا کہ ذَرْهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۔ اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَّاَكِيدُ كَيْدًا فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۔ فَانْتَظِرْ اِنَّهُمْ مُنْتَظِرُوْنَ (الی الآخرات) اس لئے کسی مسلمان کو یہ جرأت نہ ہوئی اور نہ ہو سکی کہ اپنے حفظ امن میں ذرہ بھر بھی خلل انداز ہو۔ باوجودیکہ حق تلفی روز روشن کی طرح ظاہر تھی۔ اور ہر ایک اسلامی فرد اسلام کے فرائض و واجبات بلکہ نوافل تک کا پابند تھا۔ مگر بایں ہمہ سکوت اور بے تعلق رہنے کا عالم تھا کہ نہ انتظامی معاملات میں خلل اندازی کا خیال دامنگیر تھا۔ اور نہ حب جاہ تھی۔ کیا تھا؟ تحفظ خود اختیاری تھا۔ حفظ امن کا پاس۔ تبتل الی اللہ کی تعلیم تھی فاصفح الصفح الجمیل پیش نظر تھا۔ لا تسبوا الذین کفروا کا اعلان تھا۔

لیکن مسلمانوں کو مدینہ طیبہ میں ہجرت کے بعد آہستہ آہستہ اقتدار ملکی حاصل ہوا۔ بازو میں طاقت آگئی۔ جمعیت کے افراد نظر آنے لگے۔ غیر مسلم کی حکومت کی کالی گھٹا سر سے کھل گئی۔ اور اسلامی شمس کی کرنیں براہ راست سکان الارض پر پڑنے لگیں۔ اور قوم مسلم کی تن آوری اور غیرت و حمیت کے جوش اندر بڑھ گئے۔ انتقام اور جوابی حملہ آوری پر اقدام کی جرأت پیدا ہو گئی۔ اور شب و روز تقاضے نے مجبور کیا تو بڑی احتیاط کے ساتھ جوابی حملہ کرنے اور اسلحہ استعمال کرنے کی اجازت الٰہی ہوئی۔ مگر پھر یہ عالم تھا کہ بعض محمود متانت کی مالک طبیعتیں فوراً اکتا گئی تھیں۔ اور اندر ہی اندر اپنی اس جرأت پر نادم ہونے لگی تھیں۔ اور ان کو یقین ہو گیا تھا کہ حضور علیہ السلام کا فرمان واقعی برمحل تھا۔ کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ مگر اس وقت ایسے اشخاص کی تفہیم کے لئے لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا عتاب نازل ہوا۔ اور ثابت کیا گیا کہ ابھی منہ چھوٹا سا اور بات بڑی تھی۔ رفتہ رفتہ جب اقتدار بڑھتا گیا۔ اور اہالیان مکہ کے اقتدار میں فرق آنا شروع

ہوگیا۔ نقص فی الاطراف کا وعدہ پورا ہونے لگا۔ صنادید قریش (لیڈران شرک) مارے گئے۔ شکست پر شکست ہونے لگی۔ خود حکومت شرک کے اندر رخنہ اندازیاں شروع ہوگئیں تو اس وقت مخالفین نے بھی اقتدار اسلامی کو سلطنت اسلامی تسلیم کر لیا۔ اور باقاعدہ سلاطین وقت سے رزم و بزم کے سمجھوتے ہونے لگے۔ اور عہد و پیمان کا سلسلہ شروع ہوا۔ اب حکومت اسلام اور حکومت شرک و کفر ایکدوسرے کے خون کی پیاسی ہوگئیں۔ وہ ان کو مزاحم ہوتے اور یہ اُن کو۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے پر دست برد اور تغلب کی نوبت بھی پہنچی۔ اور مقاطعت اور ترک معاملات کا اعلان بھی کیا گیا۔ یہاں تک کہ صلح حدیبیہ میں کفار مکہ نے مسلمانوں کو اس امر پر مجبور کیا کہ وہ پورے طور پر احکام حج سے بھی عہدہ برآنہ ہو سکے۔ بعد میں جبکہ حکومت اسلامیہ قائم ہو چکی تھی۔ اور کفار مکہ اب بھی ارکان اسلام یعنی حج وغیرہ کی ادائیگی سے روکتے تھے۔ تو کفار مشرکین کے ساتھ ترک موالات اور مقاطعت کے احکام نازل ہوئے مثلاً

(۱) یہ کہ کفار مکہ سے بالکل قطع تعلق کیا جائے۔ خواہ رشتہ داریاں ایسے تعلقات رکھنے پر مجبور کریں۔

(۲) لین دین بند کر دیا جائے۔ اور کسی قسم کا دنیاوی معاملہ نہ کیا جائے۔

(۳) کمین گاہوں سے ان پر حملے کئے جائیں۔

(۴) جو ان کا آدمی خود بخود پناہ گزین ہو۔ مرد ہو تو واپس کیا جائے۔ عورت مسلمان ہو کر آجائے تو واپس نہ کرو۔ کیونکہ مسلمانوں کی عورتیں جب مرتد ہو کر مکہ میں پناہ گزین ہوتی تھیں وہ بھی نہیں آنے دیتے تھے

(۵) دوستانہ تعلقات رکھنے والا مشرک اور کافر تصور کیا جائیگا وغیرہ وغیرہ۔ سورہ ممتحنہ اور سورہ براءۃ یا سورہ قتال اور اس قسم کی تمام مدنی سورتیں مقاطعت اور ترک معاملات کو ظاہر کرتی ہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت اسلامی زندگی کے لئے عنفوان شباب کا عالم تھا۔ ذرہ بھر بھی مخالفین کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ترکی بہ ترکی جواب دینے کے علاوہ اعلائے کلمۃ اللہ کے نعرے بلند ہوتے تھے۔ اور تمام دنیا میں اعلان کر دیا تھا کہ الاسلام یَعلُو ولا یُعلٰی چنانچہ خلفائے راشدین کے زمانہ میں وہ تمام یا اکثر پیشینگوئیاں جو حضور علیہ السلام نے اپنی حین حیات میں بیان فرمائی تھیں اس طرح پوری ہوئیں کہ تمام اطراف میں اسلام کا ڈنکہ بجنے لگا۔ اور بڑے بڑے خودسر بادشاہ اسلامیوں کے آگے ذلیل ہوئے۔

مولوی صاحب۔ یہ تو معلوم ہوگیا کہ اہل اسلام شروع میں محکوم رہے اور بعد میں حاکم۔ مگر اب تک ان آیات کا راز منکشف نہیں ہوا جو ترک موالات کی تحریروں میں پیش کی جاتی ہیں۔

حکیم صاحب۔ جو آیات ترک موالات میں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر سورہ ممتحنہ کا قیباس

ہے جس میں صلح حدیبیہ کے بعد سنہ ہجری کے نویں اور دسویں سال کے حالات درج ہیں جب مُسلمان خود مختار سلطان بالاقتدار ہو کر اہالیان مکہ سے برسرپیکار تھے۔ اس وقت حاطب نام صحابی نے سلمانوں کی مکہ والوں کے پاس مخبری کی تھی۔ اور اس کا خط روضہ خلاخ کے مقام پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے چند صحابہ کے ہمراہ پکڑ لیا تھا۔ اور حضرت عمرؓ نے حاطب کو منافق قرار دیکر قتل کرنا چاہا تھا۔ مگر چونکہ اس نے اپنی غلطی کا اقرار کر لیا تھا اور اسلام پر پختہ معلوم ہوا تھا۔ اس لئے اس کا یہ قصور معاف کیا گیا۔ اور عام حکم لگا دیا گیا تھا کہ اہل مکہ سے جو بھی راہ ورسم رکھیگا وہ کافر شمار کیا جائیگا۔ دوسرا واقعہ یہ تھا کہ غریب مسلمان مدینہ طیبہ میں یہودیوں کے ہاں سے صدقہ خیرات کھاتے تھے تو ان کو روک دیا گیا۔ یہ راہ ورسم کے دو ایسے معاملات ہیں کہ جن پر موالات بالکفار کا حکم لگا کر مسلمانوں کو ایسے معاملات سے مطلقاً روکدیا گیا تھا۔ مگر ایسے احکام کا وہ وقت تھا کہ جس وقت مسلمانوں کو کفار سے بالکل آزادی حاصل ہو گئی تھی۔ اور وہ بااقتدار ہو کر بالمقابل برسرپیکار تھے۔ چنانچہ حسب ذیل اقسام کے احکام اس وقت جاری ہو چکے تھے کہ

(۱) مُسلمانوں کی بیویاں مرتد ہو کر کفار کے پاس چلی جائیں تو ان کو واپس نہ کرو۔ بلکہ ان کا مہر بیت المال سے ان کے خاوندوں کو دیکر راضی کرو۔

(۲) کفار مکہ کی بیبیاں اگر مسلمان ہو کر مدینہ طیبہ میں آئیں تو تم اپنے نکاح میں لے آؤ جیسا کہ سُبیعہ اور حضرت عمرؓ کا قصہ مشہور ہے۔ اور ان کے خاوندوں کو ان کا مہر ادا کر دو۔

(۳) مخالفین سے قرضہ بھی نہ لیا کرو۔ اور نہ ہی ان کا صدقہ خیرات قبول کرو۔

(۴) مخالفین کے ہر ایک راستہ پر گھات لگا کر بیٹھو۔ کیونکہ جب مُسلمان محکوم تھے وہ کفار بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

(۵) جہاں پاؤ کافروں کو مار ڈالو۔

(۶) ادھ مُوا کرکے کافروں کی مشکیں باندھ لو۔ پھر تمہارا اختیار ہے کہ احسان کرکے چھوڑ دو یا ان سے جُرمانہ وصول کرو۔

(۷) اپنے بچاؤ کے لئے سامان حرب تیار کرو۔

(۸) کسی کافر سے میل ملاپ نہ رکھو۔ اور نہ راہ ورسم کے مرتکب ہو۔

(۹) اپنی رشتہ داریاں چھوڑ دو۔ اور ان سے بھی دوستانہ تعلقات قطع کرو جیسا کہ سورہ قتال کی آخری آیات میں اس کی تصریح کی گئی ہے۔

(۱۰) تجارتی تعلقات اور لین دین اور جائداد منقولہ وغیر منقولہ سے بے تعلق ہو جاؤ ورنہ اسلام

عہد و پیمان تھا۔ ان سے پھر بھی قطع تعلق نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان سے راہ و رسم برابر قائم رکھی تھی۔ شاہ ایلہ سے آپ نے جزیہ منظور فرمائی تھی۔ یہود خیبر کو اپنا کاشتکار بنایا تھا۔ جنگ تبوک میں یہود سے استعانت بالمال کی تھی۔ اور اس قسم کے واقعات بہت سے پیش کیے جا سکتے ہیں۔ کہ اسلام نے حاکم ہونے کے وقت بھی غیر مسلم سے۔ مدارات۔ مواساۃ اور معاملات ترک نہیں کیے۔ خود وہ قرآنی حکم اس کے لئے کافی ثبوت ہے کہ جس میں یہ حکم ہے کہ جنہوں نے تم کو گھروں سے نہیں نکالا اور مذہبی لڑائی نہیں لڑے۔ ان سے تم احسان و انصاف سے پیش آ سکتے ہو۔

مولوی صاحب۔ کیا انگریزوں نے ہمیں مکہ سے نہیں نکالا؟ اور کیا ہم سے وہ مذہبی لڑائی نہیں لڑے؟ اور کیا ہر طرح سے مسلمانوں کے دشمن نہیں ہیں؟

حکیم صاحب۔ سچ پوچھو تو ٹرکی نے خود ہی جنگ چھیڑی تھی۔ برطانیہ تو اس وقت خاموش رہا تھا اسی نے خواہ مخواہ اس کو بھڑکایا تھا۔ اب جس قدر نقصان ہوا ہے۔ ٹرکی نے خود کرایا ہے۔ اسلام میں یہ کہیں حکم نہیں کہ جس کے مقابلہ میں تاب مقاومت نہ ہو خواہ مخواہ اس سے لڑائی چھیڑ دو۔ اب اگر یہ عذر ہے کہ جرمنی نے اسے مجبور کیا تھا تو اس کا الزام جرمنی کے سر ہوگا۔ علاوہ بریں جب ٹرکی نے مصالحت کر لی ہے۔ اور تاوان ادا نہیں کر سکتی۔ تو ممالک مقبوضہ سے برطانوی قبضہ کیسے اٹھ سکتا ہے۔ ہاں اگر مسلمانان عالم میں حمیت یا غیرت کا خون ہے تو اپنی جائداد دیکر واگذار کرا سکتے ہیں۔ یہ خالی زور دینا کہ برطانیہ نے وعدہ کیا تھا کہ مقامات مقدسہ نہیں چھیڑیں گے۔ بالکل بے بنیاد بات ہے۔ کیونکہ اثنائے جنگ میں مصلحت وقت کے مطابق ایسی پولیٹیکل چالیں اور اس قسم کے وعدے دیدینا کچھ تعجب کی بات نہیں (انما الحرب خدعة) لڑائی ایک قسم کی چال ہے اسکے مطابق خود یورپ کے تمام عہود و مواثیق ٹوٹ چکے تھے۔ مسلمانوں کو خود سوچ لینا چاہئے تھا کہ جب سلاطین یورپ نے آپس میں معاہدوں کا خیال نہیں رکھا تو ہم سے جبکہ ہم مخالف مذہب کے پیرو ہیں کب خیال رکھیں گے۔ علاوہ بریں مسلمانوں کو قرآن شریف میں صاف ہدایت کی گئی ہے کہ غیر مسلم کے وعدوں پر بھروسہ نہ کیا کرو۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے منہ سے تمہیں خوش کر لیتے ہیں۔ مگر جو کینہ ان کے سینہ میں بند ہے وہ اس زبانی چاپلوسی سے کہیں بہت بڑا ہے۔ پس ان واقعات سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں نے خود غلطی کھائی اور ابھی تک غلطی کھا رہے ہیں۔ یا یہ بات ہے کہ شروع شروع میں لاپرواہی سے خود ہی برطانیہ کا ساتھ دیکر ٹرکی کو تباہ کرا دیا اور اب افسوس کرنے بیٹھ گئے ہیں۔ جیسا کہ اوس و خزرج (دونو یہود کے قبیلے) اپنے اپنے حلیفوں کے سر کاٹتے اور نہایت بے رحمی سے ان کا خون پیتے اور گھروں سے نکال دیتے۔ مگر جب لڑائی کر چکتے تو

پھر ایک دوسرے سے تاوان ادا کرنے بیٹھ جاتے یا اہل کوفہ کی طرح کہ خود ہی امام حسینؓ کو بیعت کے لئے بلوایا اور پھر خود ہی ان کے مخالفین میں مل کر ان کو مع ساتھیوں کے قتل کروایا۔ اور بعد میں ماتم کی چھوڑی بچھا کر نوحہ و بکا کرتے اور دست تاسف ملتے۔ اور دوسروں کو کوس کوس کر گالیاں بھی دیتے۔ لیکن اب پچھتائے سے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ پس بعینہٖ یہی حال آج ہندوستانیوں کا ہے۔ شروع جنگ میں برطانیہ کا ساتھ دیا۔ چندے دیئے۔ فتوے دیئے۔ مالی اور بدنی امداد دی۔ ٹرکی سے کہہ بھیجا کہ ہماری گورنمنٹ سے برسرپیکار نہ ہو۔ جنگ میں اس کے شریک ہونے سے اظہار نفرت کیا۔ بغداد اپنے ہاتھوں سے فتح کرایا۔ مکہ و مدینہ پر گولی چلانے کے خود یا ان کے بجائی غیر مسلم سکھ اور ہندو مرتکب ہوئے۔ اب جب ہوش آیا تو اپنے کئے کو بھول کر برطانیہ کو مورد طعن ٹھیرایا۔ اور طرح طرح کی تجاویز لڑانے لگے۔ بھلا یہہ منہ کالا ایسی باتوں سے کب دُھل سکتا ہے۔ اور ایسی چالاکیوں سے خدا تعالیٰ کب پھندے میں آ سکتا ہے۔ اوس دجرزج کی طرح اب ترک موالات پر آیات و احادیث کا بے موقع موسلا دھار مینہ برسا دیا۔ اور برطانیہ سے نفرت اور ہندوؤں سے جذب و انجذاب کی ٹھان لی۔ حالانکہ یہ بھی غیر مسلم قوم تھی۔ مگر یہہ مسئلہ یوں سید ھا کر لیا کہ انہوں نے ہمیں ہمارے گھروں سے نہیں نکالا۔ اور نہ ہم سے مذہبی لڑائی لڑے اور واقعات حادثہ و ماضیہ پر پردہ ڈال کر ان سے اتحاد پیدا کر لیا۔ مگر افسوس کہ انہوں نے مان نہ مان میں تیرا مہمان کا وتیرہ اختیار کیا۔ اور مُسلمان ابھی تک ان کی دوستی کا دم بھرتے جا رہے ہیں۔ اور باوجودیکہ اسلام کے خلاف جو حرکات اہل ہنود سے اب تک سرزد ہو چکی ہیں۔ ان کو اگر پیش نظر رکھا جائے تو برطانیہ سے کم درجہ پر ثابت نہیں ہونگے۔ ملک بہار میں مسلمانوں کی دربدری۔ ہندوؤں کی غارتگری۔ ہزاروں مُسلمانوں کو جلانا اور لوٹنا۔ ان کے مال مویشی کو زندہ آگ میں جلانا۔ کرتارپور میں گاؤکشی کی بجائے مُسلم کشی کرنا۔ بھاگتوں کو واپس لا کر آگ میں کوئلے بنانا۔ گاؤں کے گاؤں تباہ کر کے راکھ کر دینا۔ مختلف دیہات میں ابھی تک اذان کی اجازت نہ دینا۔ کئی شہروں اور بستیوں میں مساجد اسلامیہ کو مندر بنا کر استعمال کرنا۔ بلکہ شب باشی کے لئے یا گھوڑوں کے لئے مسجدیں مسمار کرنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ایسے واقعات ہیں کہ جن سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے مسلمانوں سے مذہبی لڑائی لڑنے اور گھروں سے نکالنے میں برطانوی افواج سے کم حصہ نہیں لیا۔ چنانچہ حال ہی میں وکیل کی تمازہ اشاعت میں لنڈا بازار لاہور کی مسجد کے متعلق ایک نوٹ شائع ہوا تھا کہ سکھ قوم نے باوجود اب تک مسجد کے نشانات موجود ہونیکے قبضہ مخالفانہ کر رکھا ہے۔ اور اس کو گوردوارہ بنایا ہوا ہے۔ اور مُسلمانوں کی بار بار اپیلوں کے باوجود اسے واگزار نہیں کرتے۔ کیا یہی ان کا اتحاد اور حسن سلوک ہے؟ لیکن معلوم نہیں انہوں نے کیا جادو

پڑھا ہے کہ یہ تمام واقعات نظر انداز کر دیئے گئے۔ اور اتحاد کا دم بھرا گیا۔ اور یہ فتوے لگایا کہ اہل ہنود گو مشرک ہیں مگر ان سے مسلمانوں کے خلاف کوئی حرکت سرزد نہیں ہوئی۔ حالانکہ حال ہی میں وہ گاؤکشی کو قانوناً بند کرانے کی تجویز کونسل آف سٹیٹ میں کر رہے ہیں۔ ناظرین خود انصاف کر سکتے ہیں کہ کہاں تک انصاف کا خون کیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر غور سے دیکھا جائے تو برطانوی افواج نے ہم پنجابی یا ہندوستانی رعایا کو اپنے گھروں سے ہندوؤں کی طرح نہیں نکالا۔ ہاں حرمین شریفین سے ترک نکالے گئے۔ گو مذہبی اتحاد ایک پہلو سے ہمیں بھی کہنے کی اجازت دیتا ہے کہ جن کو وہاں برقرار کیا گیا آخر وہ بھی تو ہمارے ہی بھائی مسلم اقوام کے افراد ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہم میں سے بعض افراد کا قبضہ وہاں سے اٹھایا گیا۔ اور دوسرے مسلم افراد کو وہاں مقیم اور آزاد کر دیا گیا۔ مگر اولاً و بالذات اخراج کا اطلاق ترکی سلطنت پر ہوتا ہے۔ پھر ترکی افواج پر۔ اس کے بعد سلاطین اسلام پر اور سب کے اخیر غیر مسلم سلاطین کی رعایا پر ہوگا۔ یہی ترتیب فرضیت جہاد کی بھی ہے۔ جیسا کہ خود جمعیۃ العلماء کے اس متفقہ فیصلہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس کی اشاعت بند ہو گئی ہے۔ کیونکہ جیسا پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ ہماری ملکی زندگی اور تمدنی معیشت ترکی رعایا اور ترکی سلطنت سے وابستہ نہیں۔ اس لئے فتح و شکست یا اخراج و حرمان اگر ہم پر عائد ہوتا ہے تو ہزاروں وسائط اور بیشمار مراحل طے کرنے کے بعد عائد ہوتا ہے۔ ورنہ ظاہر طور پر نہ برطانیہ نے ہمیں اپنے گھروں سے نکالا۔ اور نہ ہم سے کوئی مذہبی لڑائی ہندوؤں کی طرح لڑی پھر اگر اور بھی غور کیا جائے تو آپ کو یہ بھی ظاہر ہوگا کہ جس آیت میں اخراج کا ذکر ہے وہ اس واقع کے متعلق ہے جو مسلمانوں کو مکہ چھوڑنے پر پیش آیا تھا۔ اسی مکہ میں وہ مقیم تھے اسی میں ان کے بال بچے تھے۔ رشتہ دار تھے۔ جائدادیں تھیں۔ مال و اسباب تھے۔ اور صدیوں سے باپ دادا کا قبضہ تھا۔ پس جس زور سے اخراج کا لفظ ان مکی مسلمانوں پر مکہ چھڑایا جانے کے وقت عائد ہوتا تھا اس زور سے آج ترکی پر عائد نہیں ہوتا۔ اور ہندوستانی مسلمانوں پر تو اس کا اطلاق بالکل کمزور ثابت ہوگا۔ کیونکہ نہ ترکی وہاں کا باشندہ تھا۔ اور نہ کوئی پنجابی یا ہندوستانی۔ اور نہ ہی کسی کو ہم وطنی کا خیال تھا اور نہ اپنے۔ اس لئے اس آیت سے اتحاد ہندو کا مسئلہ استخراج کرنا قرین قیاس نہیں ہے۔

مولوی صاحب ۔ اخراج مسلم کا مسئلہ اگرچہ کسی درجہ پر ہو مگر پھر بھی کچھ تو ہوا۔ جس کے لئے تمام اہل اسلام تڑپ رہے ہیں۔ اس لئے ان کا حق ہے کہ موجودہ تحریک میں سرگرم رہیں۔

حکیم صاحب ۔ اسلام کے رو سے جیسا کہ جہاد کے مسئلہ میں خود جمعیۃ العلماء نے تسلیم کیا ہے اس تحریک میں سرگرم ہونا خود افواج ترکی کا حق تھا پھر آس پاس کے مسلم نوابوں اور مشائخ کا۔ پھر سلاطین اسلام کا

اور جب وہ سارے کے سارے ملیامیٹ ہو جاتے تو ان مسلمانوں کو سرگرمی دکھانے کا حق حاصل ہو جاتا - جو غیر مسلم سلطنت کے تحت میں بطور مستامن کے امن حاصل کر کے زندگی بسر کر رہے ہیں - اور جس کو ہر طرح اور ہر طرف سے قیود سلطنت نے جکڑا ہوا ہے - نیز مجبوریوں نے اسلامی اور تمدنی یا سیاسی آزادی سے محروم کر رکھا ہے - بھلے دنوں میں ان کا کسی نے ہاتھ نہ بٹایا - اب کون ہے کہ ان کی خبر لے - پچھلے دنوں ہجرت کا معاملہ پیش آیا تھا - تو افغانستان نے بیچھا دکھا دیا - اس سے پہلے دوران جنگ میں افغانستان برطانوی گورنمنٹ کو اطمینان دیتا رہا کہ ہماری سرحد سے کوئی خدشہ پیدا نہ ہوگا ایران ہے تو باوجودیکہ ٹرکی کے بالکل متصل اور ہمسایہ تھا - مگر اتنا نہ ہو سکا کہ ٹرکی کو کچھ بھی مدد دیتا - مانا کہ پہلے غفلت تھی - مگر اب بھی تو کچھ نہیں کر دکھلایا - پس ان دلائل کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلم رعایا کو کوئی شرعی حق حاصل نہیں کہ اس قسم کی سرگرمی دکھاتے - بلکہ سوچ کر دیکھا جائے تو الٹا نقصان ہو رہا ہے - جو سہولتیں ہیں ٹرکی کے لئے نرمی اور باقاعدہ صدائے احتجاج بلند کرنے میں متوقع ہو سکتی تھیں - آج اس بے قاعدگی نے ان کی بجائے برطانیہ کو اور بھی اشتعال دے کر ٹرکی کو زیر بار کر دیا ہے - اور فائدہ کی بجائے نقصان کا خطرہ در پیش ہے - مولانا شیخ الہند مرحوم کا مقولہ بالکل سچ ہے کہ ایسا کرنے سے فائدہ کی بجائے نقصان ہوگا - ہندوستانی رعایا یوں تو کچھ کر نہیں سکتی صرف چیخ پکار اور بے قاعدہ سرگرمی دکھلانے سے سلطنت اسلامی کو نقصان پہنچا رہی ہے ع

مرا خیرے زتو امید نیست بد مرسان ؎

مولوی صاحب - اس بے قاعدہ سرگرمی سے اگر نقصان پیدا ہوتا ہے - تو مسلمان رعایا کس حکم شرعی پر کار بند ہو سکتی ہے - تفصیلاً بیان کریں -

حکیم صاحب - موٹی بات ہے کہ دوسرے خود مختار سلاطین اسلام سے سبق حاصل کریں - افغانستان نے ابھی تک برطانوی سلطنت سے اپنا وظیفہ لینا بند نہیں کیا - سرحد کے تمام مسلمان برطانوی وظائف حاصل کر رہے ہیں - مقامات مقدسہ کے تمام مجاورین مشائخ اور عرب کے شیوخ سب کے سب امداد حاصل کر رہے ہیں - شریف مکہ جو حرمین شریفین پر قابض ہے - ان کی دوستی کا دم بھرتا ہے - پس اگر ان تمام دلائل سے چشم پوشی بھی کر لی جائے - اور یہ مان لیا جائے - کہ گورنمنٹ سے امداد لینا یا اس کے الحاق اور عہد و پیمان قائم رکھنا موجب کفر ہے - تو صاف طور پر یہ لازم آئیگا - اور ماننا پڑے گا کہ افغانستان اور ایران اسی طرح بغداد - مکہ و مدینہ اور دیگر مقامات کے تمام مسلمان دائرہ اسلام سے خارج ہیں - کیونکہ انہوں نے ترک موالات نہیں کیا - اور معاملات ملکی خاصہ و مشترکہ کو نہیں چھوڑا -

جو سلطنت برطانوی سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یہ بھی لازم آئیگا کہ اس وقت تمام روئے زمین سے اسلام نکل کر صرف پنجاب و ہندوستان میں ہی پناہ گزین ہوا ہے۔ بالخصوص ان چند اشخاص کے ضمن میں کہ جنہوں نے مشرکین سے اتحاد پیدا کر لیا ہے۔ اور ایسے امور کے مرتکب ہوئے ہیں کہ جن کے جواز کے لئے اسلام کی کوئی روایت نہیں مل سکتی۔ اس لئے ہم مسلمانوں کو اپنی ترتیب کو رہ بالا کے رو سے دیگر ممالک اسلامیہ کی پیروی ضروری ہے۔ ورنہ ان کے خلاف کوئی تحریک پیش کرنا بدظنی کا موجب بنے گا۔ اور اس بات کا ثبوت دیگا کہ اس کی تہ میں کوئی ملکی یا ذاتی غرض ہے۔ اور اسلام کو صرف آڑ بنا لیا ہوا ہے۔

مولوی صاحب ۔ کچھ بھی ہو ترک موالات فرض ہے۔ اس کے خلاف عمل پیرا ہونا قرآن شریف سے انکار ہوگا اور اسلامی ہمدردی یا احساس سے لاپرواہی ہوگی۔

حکیم صاحب ۔ میں کب کہتا ہوں کہ ترک موالات فرض نہیں۔ فرض ہے مگر ہندوستان میں نہیں اور اس طرز پر نہیں جس طرح یہ لوگ استعمال کر رہے ہیں۔ سلطنت برطانیہ کے تحت میں مسلمانوں کو صرف ترک موالات کا ہی سامنا نہیں بلکہ دیگر امور اسلامیہ کا بھی پاس ہے۔ جو اہل کہ کیلئے جاری ہوئے تھے۔ بلکہ ان سے بڑھ کر دوسرے تعلقات بھی پیدا ہو گئے ہیں۔ جن کا اس وقت نام و نشان تک بھی نہ تھا۔ وہ تعلقات مختصر طور پر حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حاکم و محکوم کا تعلق سنئے۔ ہندوستان میں جب سلطنت برطانیہ کا اقتدار ہوا تو خود اہالیان ہند کی طرف سے قید عبودیت و انقیاد کو قبول کر لیا تھا۔ بلکہ اس اشتیاق میں خود اپنے سلاطین کو اپنے ہاتھ سے ان کے حوالہ کر دیا تھا۔ اور انگریزی قوانین کو شرعی اور مقامی قوانین پر ترجیح دیکر بسر و چشم منظور کیا تھا۔ آج اس کے خلاف تحریک پیش کرکے اس معاہدہ کو توڑنا کس طرح قرین قیاس ہو سکتا ہے یا کس طرح کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ آج کل مصریوں کی آزادی کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے مگر وہ غلط ہے کیونکہ وہاں ایک قوم تھی۔ ترقی کے اصول ایک تھے۔ ان کا اپنا بادشاہ بھی تھا اور وہ خود حکمران بھی رہ چکے تھے۔ اور اب بھی ہیں۔ خواہ کسی حیثیت میں ہوں۔ علاوہ بریں ان کو آزاد کرنے کا وعدہ بھی تھا۔ مگر ہندوستان میں نہ اپنا کوئی امام نہ بادشاہ ہے۔ اور نہ ہی ہندو مسلم کی ترقی کا معیار ایک ہو سکتا ہے۔ اور نہ ہی اتحاد کا پیدا ہونا ممکن ہے۔

(۲) تولیت اور فیصلہ۔ قرآن شریف میں صاف حکم ہے کہ یا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جب تک آپکو یہ لوگ (مسلمان) اپنے مقدمات میں جج تسلیم نہ کریں گے۔ ایمان دار نہیں کہلا سکتے۔ پھر فرمایا کہ خدا

اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں تو کسی مسلم مرد یا عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ چون وچرا کر سکے۔ ان آیات کے مطابق غیر مسلم کے پاس فیصلے لے جانا یا کسی معاملہ میں اس کو اپنا جج تسلیم کرنا حرام ہے۔ مگر کس وقت یہ حکم تھا۔ یہ حکم اس وقت صادر ہوا تھا کہ جب اسلامی سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ اور منافقین اسلامی عدالت چھوڑ کر کفار کے پاس اپنے مقدمات لے جانے پر آمادگی ظاہر کرتے تھے چنانچہ کسی ایسے موقع پر حضرت عمرؓ نے ایک منافق کا سر ہی کاٹ دیا تھا۔ ورنہ محکومانہ حالت میں تو اس قسم کے احکام جاری نہیں ہوئے تھے۔ بلکہ صلح حدیبیہ میں تو مسلمانوں نے وہ شرائط منظور کر لی تھیں جو کفار مکہ نے فیصلہ کی تھیں۔ حالانکہ مدینہ طیبہ میں اسلامی اقتدار بھی پیدا ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے جب مسلمان مکہ میں تھے۔ تو کفار مکہ نے یہ معاہدہ کر لیا تھا کہ مسلمانوں کا آب ودانہ بند کر دیا جائے اور یہ لکھ کر بیت اللہ میں لٹکا دیا گیا تھا۔ مگر مسلمان مجبور تھے۔ کچھ نہ کر سکے۔ خدا تعالیٰ نے ان کا وہ معاہدہ کیڑے کے سپرد کر دیا۔ اور اسے تمام کا تمام چاٹ کر ردی کر دیا۔ اس تشدد کے عوض میں ایک دفعہ مسلمانوں نے بھی اپنے اقتدار کے وقت اہل مکہ کی تجارت بند کر دی تھی۔ مگر مشرکین فوراً اپنی تجارت جاری کرانے کے واسطے یہ کہہ کر ملتجی ہوئے تھے کہ آپ صلہ رحمی اور مدارات کرتے تھے۔ رحمۃ للعالمین سے ملقب ہیں خلق خدا پر اس قسم کا تشدد نامناسب ہے۔ تو آپ نے فوراً حکم دیا تھا کہ تجارت میں مزاحمت نہ ہونے پائے۔ مسلمانوں نے اپنے محکوم ہونے کی حالت میں کفار مکہ کی حکومت کو تسلیم کیا ہوا تھا۔ انہی کے فیصلے تسلیم ہوتے تھے۔ حبشہ کی طرف ہجرت ہوئی تھی تو وہاں کے قوانین کی پابندی کا پاس تھا۔ یہ اس قسم کے واقعات ہیں کہ جن سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حاکمانہ حالت میں مسلم کے فرائض اور ہیں۔ اور محکومانہ حالت میں اور۔ ایسے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے فقہ حنفیہ میں صاف لکھا ہوا ہے کہ کسی کافر کو اپنا فیصلہ سپرد کرنا یا اپنا منتظم بنانا جائز ہے۔ جیسا کہ خود خلافت کمیٹی میں نظر آ رہا ہے۔ جس میں حضرت گاندھی مشیر و تسلیم کئے گئے ہیں۔ اور بار بار استدعا حکومت برطانیہ سے کی جا رہی ہے کہ خلیفۃ المسلمین کا اقتدار قائم رکھے۔ ورنہ یہ تمام معاملات مذکور الصدر آیات کے رو سے موجب کفر ہیں اور قطعاً حرام۔

(۳) مدارات اور نیک سلوک۔ مسلمانوں کا نیک سلوک ہمسایہ اقوام سے قابل رشک رہا ہے۔ اور منافقین کو کبھی شکایت کا موقع نہیں ملا تھا۔ صلہ رحمی اور خوش اسلوبی اسلامی نشان تھا۔ کہ جس کی وجہ سے ہر قبیلہ نے شان نبوت کی تصدیق کی تھی۔ آپ نے مدارات کا حکم دیا ہوا تھا۔ اور فرمایا تھا کہ جو مسلمان لوگوں کا شکر گزار نہیں۔ وہ خدا کا شکر گزار نہیں۔ آپ کی مدارات کا ادنیٰ کرشمہ یہ ہے کہ

اپنے چچا ابو طالب کے اخیر دم تک زیر احسان رہے۔ عبداللہ بن ابی کی معافی گناہ کے لئے آپ نے ستر دفعہ استغفار کرنے پر بھی آمادگی ظاہر کی۔ اپنا کرتہ دیکر خوش اسلوبی کا ثبوت دیا۔ مولانا ابوالکلام نے اس قسم کے بیشمار ثبوت اپنے اس رسالہ میں دیئے ہیں جو "غیر مسلم کا داخلہ مسجد میں" کے عنوان سے لکھکر شائع کیا تھا۔ قرآن شریف میں مقابلہ کرتے وقت بھی یہ ارشاد ہے کہ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ کفار سے بہترین طریق سے بحث کرو۔ آپ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ تم اپنی ماں کو گالیاں نہ دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلم دوسرے کو ماں کی گالیاں دیتا ہے تو دوسرے کو اشتعال دیکر اس پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ بھی اس کی والدہ کو گالیاں دے۔ اس لئے یہ خود ہی اپنی والدہ کو گالیاں دینے کا مرتکب ہوا۔ مسلمانوں نے کفار مکہ کو گالیاں دینا شروع کی تھیں۔ اور بتوں کی توہین پر کبھی کبھی کوئی لفظ کہہ دیتے تھے۔ تو قرآن شریف میں صاف حکم وارد ہوگیا کہ تم کفار کو گالیوں اور برے الفاظ سے یاد نہ کیا کرو۔ جس سے ان کو اشتعال آجائے۔ ورنہ وہ بھی اندھا دھند تم کو گالیاں دیں گے۔ اس واقعہ کے تحت میں مفسرین لکھتے ہیں کہ بتوں کی توہین عین عبادت ہے۔ مگر اس وقت یہ عبادت فتنہ کا موجب ثابت ہوتی تھی۔ اس لئے ایسی عبادت سے روک دیا گیا۔ اور اسلام میں یہ قاعدہ تسلیم ہوچکا کہ جو عبادت موجب شرارت ہو اس کا ترک کرنا واجب ہے۔ اسی اصول کے سہارے پر اراکین خلافت نے قربانی ترک کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ حالانکہ حکومت برطانیہ کے تحت میں فتنہ وفساد کا خوف نہ تھا۔ برخلاف اس کے اگر قانونی رکاوٹ ہو تو ضرور فتنہ وفساد کا اندیشہ ہے۔ مگر صرف اہل ہنود سے مروت اور احسان کرنے کے لئے وہی فتنہ وفساد کو پیش نظر رکھکر یہ حکم دیدیا ورنہ حکومت اس سے زیادہ مروت اور احسان کی حقدار تھی۔ علاوہ بریں اگر ہندوؤں کے تعصب مذہبی کو مدنظر رکھکر اس کے خلاف کرنے کو خواہ وہ عبادت ہی کیوں نہ ہو فتنہ قرار دیا جائے۔ تو آج ہندوستان میں مسلمانوں کا رہنا مشکل ہوجائیگا۔ کیونکہ گاندھی جی مطلقاً گوشت کے خلاف ہے۔ سکھ اذان اور برملا نماز روزہ کے مزاحم ہوتے ہیں۔ اور تمام ہندو قوم اپنے آپ کو ملکی حقوق زیادہ لینے کی مستحق سمجھتی ہے۔ اور یہ دعوے کرتی ہے کہ "ہندو ہے ذات اپنی ہندوستاں ہمارا" ایسے معاملات کو مدنظر رکھکر اکبر نے کہا ہے ؎ راج انگلش کا ملک ہندو کا۔ ہے کیا رکھا بھائی مسلو کا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ حکومت سے بھی حسن معاشرت اور مدارات سے پیش آنا چاہئے۔ اور موجودہ طریق تحریک ہدایات اسلام کے سراسر خلاف ہے۔

(۴) استعانت اور طلب امداد۔ یوں تو ایاک نستعین کی رو سے ہر ایک قسم کی امداد خدا تعالیٰ سے ہی طلب کرنے کی ہدایت ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ دنیاوی معاملات میں ایکدوسرے کی

امداد بھی جائز ہے۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو اپنے بھائی کی امداد میں ہوتا ہے خدا اس کی امداد میں ہوتا ہے۔ وتعاونوا علی البر والتقوی کا حکم بھی قرآن شریف کے رو سے واجب التعمیل ہے۔ اسلئے جو امور بنی نوع کے درمیان ایکدوسرے کی امداد کے محتاج ہیں انہیں ایکدوسرے کی امداد شرعاً و فطرۃً لازم ہے۔ یہ سلسلہ چھوٹے سے بڑے تک اور رعایا سے بادشاہ تک چلتا ہے۔ بادشاہ کو اپنی رعایا کی امداد کی ضرورت ہے۔ اور رعایا کو اپنی اور اپنے مال و جان کی حفاظت کی ضرورت ہے ان میں سے کوئی فریق بھی دوسرے کی اعانت و استعانت کے سوا زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ ہاں یہ بات دیگر ہے کہ جانبین سے ناجائز طریق پر استعانت کا طرز عمل وقوع میں آئے اس کی یہاں بحث نہیں۔ بحث صرف اس امر کی ہے کہ آیا موجودہ طرز تعلیم میں سرکاری انتظام کے تحت اپنا ملکی روپیہ اپنی ہی ضروریات میں خرچ کرنا جائز ہے یا نہیں۔ یا اگر جائز نہیں تو وہ مکروہ ہے یا حرام یا خلاف شرع ہے یا موجب کفر؟ مگر آج تک جسقدر تحریرات شائع ہو چکی ہیں طریق استعانت عن الحکومت کو کسی نے حرام نہیں کہا۔ گو موالات کی تحت میں اسے ضمناً درج کرتے ہیں۔ مگر صراحۃً کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ شرعی روایت کی ایک خبر بھی دکھا سکے۔ یہ کیسے ممکن ہے جبکہ فقہ حنفیہ میں طریق اعانت و استعانت کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے صاف لکھدیا ہے کہ جس ملازمت یا تعلق میں براہ راست اسلام کے خلاف کام لیا جاتا ہو اس میں داخل ہونا ناجائز ہے جیسے گرجا کی تعمیر۔ شراب فروشی کی ملازمت۔ سؤروں کا چرانا یا شعائر اسلام کے مٹانے میں یا کسی خلاف حکم شرع کی ترویج میں کفار کی اعانت وغیرہ وغیرہ۔ مگر جو امور براہ راست خلاف اسلام موضوع نہیں کئے گئے۔ ان میں داخلہ جائز ہے جیسے غیر مسلم سے تجارت کرنا رہن لینا، رہن دینا۔ خرید و فروخت۔ اجارہ و استاجرہ اور دیگر تمام تمدنی تعلقات جو صرف معاشرت بنی نوع سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ فقہ حنفیہ میں یہاں تک وسعت دیگئی ہے کہ اگر کوئی مسلم اپنی زمین غیر مسلم کو اس غرض کیلئے کرایہ پر دے کہ وہ غیر مسلم اپنی عبادت گاہ اس میں تعمیر کرے تو بھی جائز ہے۔ اگرچہ یہ امر از حد مکروہ ہے مگر اس کو اسلام سے خارج نہیں کرتا۔ غرضکہ اس قسم کے سینکڑوں مسائل فقہ حنفیہ کے ابواب الحظر والاباحۃ اور ابواب اجارہ و استجارہ اور ابواب السیر والاکراہ میں درج ہیں۔ جن میں اس رعایا کو بہت بڑی وسعت دیگئی ہے جو غیر مسلم حکومت کے ماتحت زندگی بسر کر رہی ہو۔ اور مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ فقہائے کرام نے سلطانی واقعات ماضیہ و مستحضرہ کو پیش نظر رکھکر اس قسم کی وسعتوں کا فیصلہ کر دیا ہوا ہے۔

(۵) الحقوق والفرائض۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ تم میں سے ہر ایک اپنے ماتحت کیلئے ذمہ دار ہے اور ہر ایک کو اپنے ماتحت کی نسبت سوال ہوگا۔ یہ اصول فقیر سے بادشاہ تک حاوی ہے۔ اس سے کوئی مستثنے نہیں اس میں مختصر طور پر حاکم و محکوم کے تمام حقوق بتائے گئے ہیں۔ حاکم کے فرائض میں یہ امور داخل ہیں۔ رعایا پروری۔ عدل۔ حفاظت مال و جان عوام الناس۔ رفاہیت عوام اور دیگر حقوق کی پاسداری اور محکوم کے فرائض یہ ہیں۔ اطاعت و انقیاد۔ حفظ امن۔ اظہار وفاداری اور جائز طریق سے اپنے حقوق تلفی پر صدائے احتجاج وغیرہ۔ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے تحت میں واولی الامر منکم کا لفظ بھی رکھا گیا ہے

جس سے ضمناً حکام وقت کی اطاعت بھی واجب معلوم ہوتی ہے۔ اور جبر و استیلا کے وقت ایک صحابی کا واقع پیش کیا جا سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے اس نے عرض کیا تھا کہ جب میں حق کے خلاف طریق سلطنت دیکھوں تو کیا میں تلوار نہ کھینچ لوں۔ تو آپ نے فرمایا تھا کہ خاموشی سے دن کاٹو۔ تم اپنا فرض اطاعت پورا کرو۔ ظالم سے خدا خود نپٹ لیگا۔ یہ واقعہ سلاطین اسلام کی نسبت تھا۔ کہ جنہوں نے حضور کے بعد اپنے عہد میں تشدد کرنا شروع کیا تھا۔ اور آپ نے خاموشی کا سبق دیا تھا مگر آج ہم غیر مسلم سلطنت کے تحت میں بطور مستامن کے زندگی بسر کر رہے ہیں تو ہماری موجودہ حالت کب روا رکھ سکتی ہے کہ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کے خلاف مسلمانوں کو کسی ایسے امر پر استعمال دیا جائے کہ جس کے گزرنے کے بعد بجائے فائدہ کے نقصان اٹھانا پڑے۔

(۶) ہماری ہستی۔ اسلام نے مسلم کی تمام زندگیوں کے احکام بیان فرمائے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ حضور علیہ السلام کو یتیمی اور مفلسی سے شاہنشاہی تک تمام حالات میں مبتلا کیا گیا۔ ورنہ ایک حالت میں رہنے والے نبی کو دوسرے حالات پر نظر نہیں ہوتی۔ اس لئے جس حالت میں ہیں ویسے ہی اسلامی احکام ہمارے لئے موجود ہیں۔ اسلامی سلطنت کے وقت ہم ممالک محروسہ کے مالک تھے۔ غیر مسلم ہم سے پناہ لیکر ہماری حفاظت اور امن میں اپنی زندگی بسر کرتے تھے۔ تو اس وقت ہمارا ملک دار الاسلام کہلاتا تھا اور مخالفین کا ملک دار الحرب اور غیر مسلم ہماری سلطنت میں پناہ گزین ہو کر مقیم ہوتے تھے وہ ذمی کہلاتے تھے۔ اور دار الحرب کی غیر مسلم رعایا حربی۔ اور جو مسلم غیر مسلم حکومت میں وجہ معاش پیدا کرنے یا خرید و فروخت یا کسی اور ضرورت دینی یا دنیاوی کے لئے جاتا مستامن کہلاتا تھا۔ اس تقسیم کی رو سے عقل خود فیصلہ کرتی ہے کہ ذمی حربی اور مستامن رعایا کے فرائض اور دیگر اسلامی احکام الگ الگ ہیں۔ ایک کے فرائض دوسرے کے فرائض سے کچھ تعلق نہیں رکھتے۔ مثلاً دار الاسلام میں مسلم رعایا کے فرائض اپنے ملک میں یہ ہیں کہ غیر مسلم سے تعلق قائم نہ کرے۔ دوستی نہ لگائے اور حتے المقدور اس سے لین دین بھی نہ کرے۔ جس میں اپنے ملکی بھائیوں کی تمدنی زندگی کو نقصان کا اندیشہ ہو بالخصوص اس وقت کہ جب اس سلطنت سے جنگ چھڑ جائے۔ جہاں سے وہ ذمی آکر پناہ گزین ہوا ہو۔ کیونکہ اس وقت ایسے تمام افراد غیر مسلم سے قطع تعلق کرنا واجب ہوگا۔ جیسا کہ اس سے پہلے کسی جگہ اسلام کی عملی زندگی کے ضمن میں بیان ہو چکا ہے۔ اور غیر ملک میں مسلم کو امور سلطنت میں دست اندازی کا کوئی حق حاصل نہیں ہے جبتک کہ وہ سلطنت خود اپنی طرف سے ایسا موقع نہ دے۔ بلکہ اسے واجب ہے کہ اپنے اصول کی پابندی قائم رکھتے ہوئے مقامی قوانین کی پابندی بھی اپنے اوپر لازم سمجھے۔ اور اگر اسے اپنی اسلامی پابندی میں خلل کا اندیشہ ہے تو اسے واجب ہے کہ فوراً اپنے ملک دار الاسلام میں واپس چلا آئے۔ ورنہ اسلام کی طرف سے زیر عتاب رہیگا۔ اسی طرح جب ایک ملک کی مسلم رعایا پر استیلاء کفار سے غیر مسلم حکومت کو اقتدار حاصل ہو گیا تو ظاہر ہے کہ اس وقت ایسی مسلم رعایا کے وہ فرائض نہیں رہیں گے جو دار الاسلام میں مسلم رعایا کے ہوا کرتے ہیں۔ بلکہ

لازم ہوگی۔ ورنہ اپنے ان احکام پر پابندی دکھانے میں جو اس کا حق نہیں ہیں بغاوت اور عناد پر محمول کیا جائیگا۔ جو اس کی خود اپنی زندگی کے لئے سخت مضر ثابت ہوگا۔ اسی امر کو ملحوظ رکھکر ہمارے علمار کرام نے آج سے پہلے وہ امور جائز قرار دئے تھے جو مسلمانوں کو دارالاسلام میں جائز نہ تھے۔ مثلاً سودی معاملات جواز رہن۔ عدم فرضیت جمعہ۔ احتیاط ظہر۔ اور سقوط امر جہاد وغیرہ۔ یہ امور گو از روئے تقویٰ ہندوستانی مسلم رعایا کیلئے بھی ناجائز ہیں مگر از روئے فتوے ایسے امور کے مرتکب کو کافر قرار نہیں دیا جاسکتا۔ گو خلاف تقوے ہے مگر خلاف فتوے نہ ہوگا۔ اسی طرح موجودہ طرز تعلیم یا اس کے قیام کیلئے۔ یا انتظام کے واسطے گرانٹ کا حاصل کرنا اگرچہ خلاف تقوے ہوگا۔ اور ان مسلمانوں کو حرام ہوگا جو دارالاسلام میں اسلامی سلطنت کے تحت رہکر غیر کی سلطنت سے مستغنی ہیں مگر ہم ہندوستانی رعایا کے واسطے کسی طرح حرام نہیں ہوسکتا کہ جن پر وہ فرائض عائد نہیں ہوتے جو اسلامی سلطنت کے اہل اسلام پر عائد ہوتے ہیں۔ بلکہ ہمارے لئے وہ فرائض مقرر ہیں کہ جن سے ہم دینی دنیاوی اور حاکم و محکوم کے تعلقات اپنی اپنی جگہ قائم رکھ سکیں۔ ورنہ اس مصلحت شرعی کے خلاف ہوگا جو فرق مراتب کے رو سے یہاں ہوتی ہے۔

(۷) وجہ معاش یا طریق ملازمت۔ اس بارہ میں علمار اسلام کے مختلف فتوے جاری ہوچکے ہیں جن میں انہوں نے ملازمت کے دو قسم قرار دئے ہیں۔ اول وہ جو خاص مشن یا خلاف اسلام سے براہ راست تعلق رکھتی ہیں۔ اسی ملازمت کو ناجائز قرار دیا ہے دوم وہ جو براہ راست اپنے پیٹ پالنے اور صرف وجہ معاش سے وابستہ ہیں۔ اس قسم کی ملازمت جائز قرار دی ہے اس کے ثبوت میں فقہ حنفیہ سے ثبوت بہم پہنچائے ہیں۔ اور ان حالات کو مد نظر رکھکر دلائل پیش کئے ہیں جن میں مسلمانوں کی محکومانہ حالت کا ثبوت ملتا ہے۔ ملاحظہ ہو فتوے مولانا مولوی غلام علی مرحوم امرتسری و فتاوے عزیزیہ وغیرہ۔

(۸) موالات یا دوستانہ تعلقات۔ اس کے متعلق ہمیشہ سے یہی فتوے رہا ہے کہ ناجائز ہے۔ اور مسلمان ہمیشہ سے اپنے بیچ کے معاملات میں غیر مسلم سے الگ رہے ہیں اور غیر مسلم کے لفظ میں ہنود۔ عیسائی یہودی اور دیگر غیر مسلم اقوام بھی شامل ہیں۔ خواہ وہ خود مسلمانوں میں ملنے کی درخواست کریں یا مسلمان ان سے مل کر شیر و شکر ہوجاویں۔ دونوں صورتیں ممنوع ہیں کیونکہ دیگر آیات کے علاوہ لکم دینکم ولی دین کا فیصلہ اور شان نزول اس معاملہ کو بالکل صاف کر دیتا ہے۔ باقی رہا یہ کہ آج کل موالات کے ضمن میں ملازمت یا ذریعہ معاش یا دوسرے تعلقات شامل کر دئے گئے ہیں۔ محض سینہ زوری ہے ورنہ ایسے داخلہ پر کوئی شرعی دلیل جو فقہائے حنفیہ نے تسلیم کی ہو نہیں پائی جاتی۔ صرف سبب بے سبب اور وہمی تعلقات سے ہمارے تمام کاروبار کو خواہ مخواہ برباد کر دینا قرین قیاس نہیں اور نہ کوئی دانشمند اسلامی وسعت کو ہم بیکس مسلمانوں کے لئے اس قدر محدود کرنے کا مجاز ہوسکتا ہے۔ اور فرضاً ایسے وہمی اصول سے یہ تعلقات اگر موالات میں داخل کر لئے جائیں تو بہت سے ایسے تعلقات کے داخل ہونے کا بھی اندیشہ ہے۔ جو خود ترک موالات کا فتوے

طرزِ عمل اور وجہ معاش سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر جب ان کے حلال اور جائز ہونیکے واسطے کوئی تاویل کیجائیگی اور پیش کیا جائے گا کہ مجبوری ہے تو دوسرے مسلمانوں کو بھی یہ حق حاصل ہو جائیگا کہ وہ بھی اپنی ضروریات کو ملحوظ رکھکر ایسی تاویلات سے جواز کا فائدہ اٹھائیں۔ کیونکہ ہر ایک مذہب و مشرب کی ضروریات الگ ہوتی ہیں۔ اور ہر ایک قوم یا افراد قوم کی مجبوریاں الگ احساس پیدا کرتی ہیں۔ ترک موالات کی آیات میں صاف یہ لفظ وارد ہے کہ تُلْقُونَ إِلَيْهِم بِالْمَوَدَّةِ تم کفار سے دوستانہ گانٹھنا چاہتے ہو۔ اس لفظ نے موالات کے لفظ کو بالکل کھولدیا۔ ہے کہ اصل میں یہی امر ممنوع ہے کہ مسلم غیر مسلم سے ایسے معاملات پیدا نہ کرے جن سے مسلمانوں کو چھوڑ کر غیر مسلم سے دوستی پیدا کرنے کا احتمال ہو۔ چنانچہ مدنی زندگی میں جب مسلمان حاکم تھے اور غیر مسلم سے برسر پیکار رہتے تو ترک موالات کو تمام معاملات پر شامل کر دیا گیا تھا۔ ورنہ پہلے یا اس وقت بھی جن سے عہد و پیمان تھے ان سے ترک معاملات اور ترک معاہدہ بر یہ لفظ نافذ نہیں کیا گیا تھا۔ ورنہ اسلام کے کسی زمانہ میں یہ بات پایہ ثبوت تک کبھی نہ پہنچی کہ مسلمانوں نے غیر سے کبھی مصالحت اور عہد و پیمان کی سلسلہ جنبانی کی ہو۔ حالانکہ شروع سے آخیر تک غیروں سے عہد و پیمان بھی ہوتے رہے۔ اور غیر مسلم حکومتوں سے اور غیر مسلم اقوام حربی اور ذمی کی صورت میں برابر معاملات لین دین جاری رہے۔ سلطنت چغتائیہ کو پیش نظر رکھنے سے اور بھی معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔ اس زمانہ میں انگریز سلاطین اسلامیہ کے کارکن۔ ملازم اور حکمران بھی رہے۔ اور ہندو قوم کیساتھ ساتھ ایک طرح سے ان کو بھی مساوی سمجھا گیا۔ افغانستان میں اب تک انگریزوں سے عہد و پیمان قائم ہیں کئی انگریز مختلف مقامات پر مختلف عہدوں پر ممتاز ہیں۔ خود ہندو وزیر اعظم کی حیثیت میں موجود ہیں۔ اکبر کے زمانہ میں غیر مسلم کو مسلم کے دوش بدوش رکھنے کا ثبوت اظہر من الشمس ہے۔ خلیفہ مامون کے وقت جبریل بن بختیشوع شاہی ڈاکٹر تھا۔ اور فقہی روایات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کبھی غیر مسلم اسلامی حکومت کے ماتحت رہ کر زندگی بسر کرتے رہے ہیں ان کو وہ تمام حقوق دئے گئے تھے جو عوام الناس مسلم رعایا کو دئے گئے تھے۔ پس یہ صاف فیصلہ ہو جاتا ہے کہ ایسے امور موالات میں شامل نہ تھے۔ ہاں یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ موالات میں کبھی کچھ امور داخل ہوئے ہیں اور کبھی خارج۔ مگر آج محکوم رعایائے اہل ہند کو یہ وسعت نہیں کہ موالات میں ترک معاملات۔ وجہ معاش۔ استعانت یا ملازمت وغیرہ کو داخل کریں۔ کیونکہ علاوہ دوسرے مفاسد کے بدظنی اور بغاوت کا الزام بھی عائد ہوتا ہے۔

(۹) عدم تعاون اور تعاون۔ یہ امر مسلّم ہے کہ غالب اپنے مغلوب کو امداد یا اعانت سے ہاتھ ہٹا سکتا ہے اور مغلوب کی شخصیت اس قابل نہیں ہوتی کہ وہ غالب کو اعانت یا تعاون سے زیر احسان کر سکے۔ خود یہ لفظ اس امر کا متقضی ہے کہ تعاون دو برابر کی شخصیتوں میں پیدا ہو سکتا ہے۔ حاکم و محکوم یا بادشاہ و رعایا کے درمیان اس لفظ کا اطلاق عربی محاورہ کے رو سے بیجا ہوگا۔ ہاں آج کل ان فرائض کی انجام دہی کو اس لفظ میں شامل کر دیا گیا

سینہ زوری ہے۔ ورنہ شرعی دلیل اس پر قائم نہیں ہو سکتی۔

مولوی صاحب - مفصلہ بالا بیان سے ثابت ہو گیا ہے۔ کہ موالات کی وسعت موجودہ زمانہ میں ترک معاملات اور استمداد و استعانت یا وجوہ شکم پروری اور وجہ معاش پیدا کرنے پر شامل نہیں۔ مگر یہ شبہ ابھی تک باقی ہے کہ بعض لوگوں نے ترک موالات میں سب کچھ شامل کر کے پاس کر لیا ہے۔ اور اب کھلم کھلا اختلاف رائے رکھنے والے کو کافر کہتے ہیں۔

حکیم صاحب - یہ انکی جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ ورنہ بڑے بڑے مستند علمائے زمان اور بالخصوص تمام صوفیائے کرام موجودہ ترک موالات کے قائل نہیں یا صریحًا مخالف ہیں۔ جیسے مولانا مولوی حبیب الرحمان شروانی، مولانا مولوی احمد رضا خان بریلوی۔ اور مولانا حکیم الامتہ مولوی اشرف علی صاحب تہانوی مدظلہم وغیرہم یا سکوت اختیار کئے ہوئے ہیں جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ یا جیسا کہ مولانا شیخ الہند مرحوم کی تحریرات سے ثابت ہوتا ہے۔ بعض ایسے نامور علمائے کرام بھی ہیں کہ جن کو خواہ مخواہ ساتھ ملا لیا گیا ہے۔ جن میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ جن پر لعن وطعن یا زجر و تشنیع کی بوچھاڑ کی گئی تو وہ شامل ہو گئے۔ یا جن کو ذاتی نقصان ہی سے اپنا ہمنوا بنایا گیا۔ ورنہ اگر آزادانہ طریق سے پوچھا جائے تو بہت کم ایسے افراد نکلیں گے کہ جنہوں نے بغیر کسی لوث اور آلودگی کے موالات میں معاملات اور دیگر امور رعایا کو شامل کیا ہو جن میں پھر عمومًا ایسے اشخاص ہونگے کہ جن کو اصل موضوع کی پوری ماہیت نیز حالات ماضیہ مستخفرہ اور مستقبلہ کی دشواریاں معلوم نہیں۔ خود مولانا ابو الکلام سے ایک موقع پر یہ لفظ سنا گیا ہے کہ "ہمیں فتوے دینے کے لئے صرف وہی چند لفظ کافی ہوتے ہیں جو مستفتی لکھکر پیش کر دے۔ باقی جو دقتیں یا اس کی مختلف حالتیں پیش آئیں۔ ان کے ہم ذمہ دار نہیں خود مستفتی کا فرض ہے کہ ایسے موقع پر اپنی تمام مجبوریاں پیش کرے" اس کلام سے صاف نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ چونکہ یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ اس لئے اس میں مختلف وجوہ سے سوال بھی ہو سکتے ہیں۔ اور مختلف جواب بھی۔ نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مفتی صاحبان عمومًا سرسری نظر سے کام لیتے ہیں۔ یا ایک دوسرے کو دیکھکر الجواب صحیح کہدیتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھاری دیانت داری اور ذمہ داری کا کام تھا۔ جو لوگوں نے معمولی سمجھ رکھا ہے۔ آج ہر ایک ایسا آدمی بھی فتوے لکھنے کی جرأت کر بیٹھتا ہے کہ جسے پورے طور پر پیشوا تسلیم نہیں کیا گیا۔ اور خود کئی فتووں کی زد میں ہے۔ فتوے دینا شیخ الہند مرحوم کا کام تھا۔ مگر آپ نے بھی فتوے دینے سے انکار کیا ہے۔ اور صاف لکھدیا ہے کہ میں مفتی نہیں ہوں۔ فتوے دینا دوسروں کا کام ہے۔ لیکن بہت سے جلد باز خواہ مخواہ اپنی تحریر کو فتوے منوانے پر مجبور کرتے ہیں۔ آج کل خلافت کمیٹی امرتسر سے ایک تحریر شائع ہوئی ہے کہ جس کو فتوے کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کھول کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صرف جناب شیخ الہند مرحوم کی تحریر فتوے ہو سکتا تھا بشرطیکہ آپ فتوے دیتے۔ کیونکہ اس میں باقاعدہ

استفتا کی صورت موجود تھی۔ اور مستفتی کی طرف سے دس سوال بھی کئے گئے تھے۔ مگر آپ نے اس طریق پر گریز کیا کہ مستفتی بھی راضی ہو گیا۔ اور فتوے سے بھی انکار ہو گیا۔ باقی تحریرات صرف مضمون نگاری کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان میں نہ کسی کی طرف سے سوال ہے۔ اور نہ کسی اصول فقہ کو مدنظر رکھکر جواب دیا ہے۔ صرف اشتعال آمیز چند تحریری نوٹ ہیں۔ کہ جن کو اگر غور سے پڑھا جائے تو خود لکھنے والوں کو ترک موالات پر عمل پیرا ثابت نہیں ہونے دیتیں۔ اس لئے سب سے پہلے مسلمانوں کو تحریر۔ فتوے۔ رائے نہی یا تائیدی الفاظ میں فرق کر لینا چاہئے۔ پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ جس کسی نے فتوے دیا ہے اس کی وسعت کہاں تک ہے۔ حرمت کا فتوے یا خلاف استحباب کا۔ اسی طرح وجوب کا فتوے ہے یا استحسان کا۔ پھر اس کے بعد مفتی صاحب کی شخصیت ملحوظ رکھنی چاہئے۔ ہر کہ ومہ کا کام فتوے دینا نہیں ہے۔ مفتی صرف وہی پیشوائے قوم ہو سکتا ہے کہ جو بغیر کسی جبر و استیلا کے اور بلا رعب و داب کے اور بغیر کسی طرفداری کے اپنے مذہب کے اصول کے مطابق پہلے تو ائمہ دین کے فتووں میں سے فتوے پیش کرے۔ اور اگر اس سے دستیاب نہیں ہوتا تو قرآن حدیث سے اسی اصول کے مطابق استنباط کرے۔ پس ایسا شخص صرف وہی ہو سکتا ہے کہ جس کو تمام رسم و راہ حالات موجودہ ماضیہ اور مستقبلہ پر نظر ہو۔ اور اپنے مذہب و ملت سے کافی مہارت رکھتا ہو اور لوگوں نے اسے تسلیم بھی کیا ہو۔ اس لئے موجودہ تحریریں فتوے نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ ہی مذہبی رو سے ان کے فیصلہ کا عنداللہ خوف ہے۔ کیونکہ آج کل ایسی تحریرات سے اکثر مسلمان پہلے بھی کافر ہو چکے ہیں ذرا غور کر کے دیکھو کون ایسا مولوی ہے کہ جس نے دوسرے کا خلاف کیا ہو اور تکفیر کا شکار نہ ہوا ہو۔ مثال کے طور پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پیش کئے جاتے ہیں۔ آپ کی جبل پور کے مباحثہ میں آریوں سے گفت و شنید ہوئی۔ پس مولانا کے مقابلہ میں اثنائے مباحثہ میں آریہ مناظر نے بانی اسلام کی شان میں کچھ گستاخانہ الفاظ استعمال کئے جس پر بعض علمائے اہل حدیث و دیگر چند علماء نے بھی آپ پر کفر کا فتوے لگا دیا۔ جرم یہ کہ آپ نے کیوں ایسی بات چھیڑ دی جس کے جواب میں آریہ مناظر نے توہین رسولؐ کی حالانکہ اس سے قبل بھی مولانا پر تکفیر کا فتوے لگایا گیا تھا۔ وجہ کفر یہ بتائی گئی تھی کہ آپ نے اپنی تفسیر ثنائی میں بعض ایسی باتیں لکھی ہیں جو خلاف عقائد اہل سنت ہیں۔ چنانچہ ان دونوں فتووں کے محرک حکیم مولوی ابو تراب عبدالحق صاحب تھے اور علمائے غزنویہ موید۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مولانا ثناء اللہ صاحب پر کئی سال پیشتر تکفیر کا حکم لگایا گیا ہے تو اب دوبارہ تکفیر کی تجدید کرنا کیا معنے؟ کیا مولانا نے مفتیوں کے کہنے کے مطابق اسلام کی تجدید کا اعلان کیا تھا جو اب دوبارہ پھر تکفیر کی ضرورت پڑی۔ مگر مولانا نے تو ایسا نہیں کیا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ مولانا تو پہلے ہی فتوے سے کافر ہوئے تھے۔

اور نواب ہیں۔ بلکہ مولانا تو آج کل ہر ایک قومی مجلس کے خواہ وہ مذہبی ہو یا سیاسی صدر بنائے جاتے ہیں اور کوئی ایسی تحریک نہیں ہوتی جس میں مولانا سے مشورہ نہ لیا جائے۔ اور کوئی فتوے جس میں مذہبی قوم کو مخاطب کیا ہوا ہو ایسا نہیں ہوتا جس میں مولانا کا دستخط نہ ہو۔ اب اگر کوئی ان فتووں کی وجہ ہے تو محض یہ ہے کہ ؎ لَا یَحْسُدُ الْمَرْءُ اِلَّا مِنْ فَضَائِلِہٖ * بِالْعِلْمِ وَالْحِلْمِ اَوْ بِالْفَضْلِ وَالْجُوْدِ

اسی طرح سرسید مرحوم کو دیکھئے کہ اس بیچارے پر علمائے اسلام نے بعض مسائل میں اعتقادی اختلاف کی بنا پر کفر کا فتوے لگایا اور خارج از اسلام اور ملحد و کافر وغیرہ وغیرہ قرار دیا۔ لیکن دوسری طرف نئی روشنی کے مسلمانوں نے مجدد کا خطاب دیگر مذہبی ریفارمر مانا۔ اور آج اس کشمکش کے زمانہ میں علما بھی اس کے نام کے ساتھ قومی لیڈر کا معزز لقب ایزاد کرتے ہیں۔ یہ تو زمانہ حال کی باتیں ہیں۔ زمانہ ماضی کے متقدمین میں سے شیخ محی الدین ابن عربی کو دیکھئے اور اس کے حالات پڑھئے کہ مسلمانوں کا ایک گروہ تو اس کو شیخ اکبر کا خطاب دیتا ہے اور اولیائے کبار میں سے مانتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اکابر علما بلکہ ائمہ دین میں سے امام ابن تیمیہؒ اور حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اور دیگر علمائے اہل سنت اس بیچارے کو ملحد و زندیق کہتے اور اس پر کفر کا فتوے لگاتے ہیں۔ اور اس کو ضال اور مضل سمجھتے ہیں۔ ہاں تھوڑا ہی عرصہ گزرا ہے جب کہ مولوی ظفر علی خان پر نظربندی کی قیود عائد تھیں تو انھوں نے ستارہ صبح کے نام سے ایک روزانہ اخبار جاری کیا تھا۔ جس میں آپ نے شیخ اکبر کے عقائد کے متعلق ایک سلسلہ مضامین شروع کیا تھا جس میں آپ نے یہ بتلانے کی کوشش کی تھی کہ شیخ کے عقائد سے شیخ کا ملحد زندیق اور کافر وغیرہ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جس کے جواب میں دہلی کے حلقہ نظام المشائخ کے مہتمم صوفی حسن نظامی صاحب اور ان کے ہمنوا علما و صوفیا نے ظفر علی خان کو کافر اور گمراہ وغیرہ کا فتوے دیا۔ مگر آج وہی ظفر علی خان فدائے قوم اور محب قوم اور سچا مسلمان بلکہ مسلمانوں کا سب سے بڑا لیڈر خیال کیا جاتا ہے۔ اب مسلمانوں کو غور کرنا چاہئے کہ ایسے فتووں کی علما کی اپنی نظروں میں کیا وقعت ہوگی۔ جس کے خلاف بعد میں ان کا خود عمل ہو جائے۔ یا ان کے فتوے کا بنایا ہوا کافر تو اسی بات پر جما رہے۔ جس کی وجہ سے وہ کافر بنایا گیا تھا۔ اور یہ علما اس سے میل جول رکھیں۔ بلکہ اس کو قومی معزز لقبوں سے یاد کریں اور اس کی تعریفوں کا اخباروں اور تقریروں میں چرچا کریں۔ پس مسلمانوں کو ایسے فتووں سے نہ تو گھبرانا چاہئے۔ اور نہ ہی خوفزدہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ تو در اصل جلد باز اشخاص کے دلی جذبات کا ترجمہ ہوتا ہے۔ ورنہ اہل دانش و بینش اور مستند مقتدائے علمائے اسلام کبھی ایسے فتووں پر اقدام کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔ یہاں ایک اور بات بھی قابل توجہ ہے وہ یہ کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ کے

بعد جو دن بھی آتا ہے۔ وہ اپنے پہلے دن کی نسبت بدتر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر ان لوگوں کا جو بعد میں ہونگے پھر جو تیسرے درجہ پر ہونگے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خلافت راشدہ ہزار ماہ تک رہے گی۔ پھر فتنہ وفساد کا دروازہ کھل جائے گا۔ پس ایسے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد جو بھی دن آیا ہے پہلے کی نسبت بدتر ہوا ہے۔ اس کی تائید امام غزالی رحمتہ اللہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ میرے زمانہ میں اس قدر اسلامی احکام میں سستی واقع ہوگئی ہے کہ اگر اس زمانہ کا کوئی آدمی کسی صحابی سے ملتا تو صحابی اس کو کافر سمجھتا۔ اور یہ آدمی اس کو دیوانہ۔ یہ ساتویں صدی کا ذکر ہے۔ آج چودھویں صدی ہے۔ خود اندازہ لگا سکتے ہو کہ آج اسلامی موازنہ امام غزالی کے زمانہ سے کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور صحابہ کے زمانہ سے کس طرح؟ اس واسطے آج یہ تمنا رکھنا کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ موجود ہو محض خام خیالی ہے۔ یا صحابہ کے زمانہ کی خصوصیات قوم میں موجود ہو جائیں سراسر خلاف امکان ہوگا۔ کیونکہ صحابہ کے زمانہ تک پہنچنے کیلئے ہمیں اتنے بے شمار مراحل طے کرنا ہے جو اس وقت ہمارے حیطۂ قدرت سے خارج ہیں۔ ہاں یہ تحریک ہمیشہ ہونی چاہئے کہ ہم اپنے اسلاف و اجداد کا اقتدار کریں۔ اور حتی المقدور اسلامی وقعت پائدار رکھنے میں کوشاں رہیں جو ہمارے بزرگ قائم رکھ گزرے ہیں۔ ورنہ اس سے بڑھ کر ہاتھ مارنا سوائے حرمان و یاس کے کچھ فائدہ نہیں دیگا۔

اس تحریر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جو کام ہمارے بزرگ کر سکتے تھے ہم سے نہیں ہو سکتا۔ انکا تدیّن ہم سے ہزاروں درجہ بڑھا ہوا تھا۔ اور ہمارا تدیّن ان کی نسبت ازحد کمزور ہے۔ اس لئے ان کے زمانہ میں کفر و ایمان کا دارومدار ایسے امور پر تھا کہ جن پر آج نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آج کفر و اسلام کا دارمدار شروع اسلام کی طرح صاف اس امر پر ہے کہ من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنة وان زنی وان سرق صرف توحید اور رسالت نبوی کے قائل ہونے سے مسلم کی اسلامی زندگی کا ثبوت ہے ورنہ اعمال کے رو سے سب کا مسلمان ثابت ہونا مشکل ہے۔ پہلے زمانہ میں اعمال اور عقائد یا دونوں کے رو سے اگر ذرہ بھر بھی فرق آتا تھا تو فوراً کفر کا فتوے لگ جاتا تھا۔ اور وہ فتوے زمانہ کی رفتار کے مطابق صحیح اور بالکل واقع کے مطابق بھی ہوتا تھا۔ متقدمین کے چند فتوے تحریر کئے جاتے ہیں۔ ذرا غور سے مطالعہ فرمائیں کہ ان کے رو سے آج مسلمانوں میں کتنے لفظ مسلم کے نیچے داخل ہیں۔ اور کتنے خارج۔

(۱) تارک صلوٰۃ کافر ہے۔ اور اگر لاپرواہی کرتا ہے تو اسے سزا دی جائے۔

(۲) جس میں ایمان داری نہیں اس میں ایمان نہیں۔

(۳) چغل خور جنت میں نہیں جائیگا۔

(۴) کنجوس دخول جنت کا مستحق نہیں۔

(۵) کسی مسئلہ شرعیہ کو تحقیر کی نظر سے دیکھنے والا اسلام سے خارج ہے

(۶) خدا کے کلام کو مخلوق ماننا کفر ہے (یہ مسئلہ بہت دقیق ہے)

(۷) مسلم کو گالی دینا کفر ہے۔

(۸) کسی اصحابی کی توہین کرنا کفر ہے۔

(۹) کسی گناہ صغیرہ پر اصرار کرے تو کافر ہوگا۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو حاضر و ناظر سمجھے تو کافر ہوگا۔

(۱۱) شراب نوشی اور یہود و نصاریٰ سے جذب و انجذاب فسق ہے۔

(۱۲) اسراف شیطانی کام ہے۔

(۱۳) تحقیر مسلم فسق ہے۔ اور توقیر غیر مسلم کفر۔

(۱۴) رونے پیٹنے والا ہم میں سے نہیں ہے۔

غرضکہ اس قسم کے ہزاروں فتوے ہیں جو پچھلے پاک زمانہ میں زور پر تھے۔ اور اب انکی رفتار بہت کمزور ہو چکی ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کی مذہبی حالت نہایت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی مثال سل و دق کے بیمار کی سی ہے۔ شروع میں اس کی صحت کا معیار نہایت طاقتور انسان کی حالت ہے۔ چند دنوں کے بعد اس کا معمولی چلنا پھرنا صحت کہلاتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ جب غذا بھی اس سے چھوٹ جاتی ہے تو افاقہ یا صحت کا لفظ صرف اس کے دیکھنے یا بات کرنے پر اطلاق کیا جاتا ہے۔ یہی حالت ہمارے اسلام کی ہے۔ زیادہ لکھنا بیفائدہ ہے۔

مولوی صاحب۔ اب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ موجودہ حالت اسلامیہ بہت کمزور ہے۔ اس کے غرض وہ فرائض نہیں ہو سکتے جو پہلے زمانہ میں ہو سکتے تھے۔ مگر تاہم مسلمانوں کو اپنی موجودہ ہستی قائم رکھنے کے لئے کیا کرنا چاہیئے۔ کیا گرانٹ یا موجودہ تعلیم اور اس کا الحاق اس کے واسطے مضر نہیں؟

حکیم صاحب۔ حکومت برطانیہ جابرانہ حکومت نہیں۔ اس میں جزوی طور پر آزادی بھی دی گئی ہے۔ اس لئے جس قدر ہمیں آزادی حاصل ہے۔ اس سے فائدہ اٹھانا ہمارا فرض ہے۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ ہمیں وسعت دی گئی ہے۔ کہ ہم مذہبی تعلیم بھی دے سکیں۔ اب اس سے پہلو تہی کرنا یا کمزور طریق پر

اسکو جاری کرنا یا فیل پاس کا معیار اس کو قرار دینا ہماری کمزوری ہے۔ ورنہ حکومت کی طرف سے کوئی جبر نہیں اور ہمیں یہ بھی وسعت حاصل ہے کہ ہم خالص اسلامی درسگاہیں کھول علماء اسلام پیدا کریں۔ یا سکولوں اور کالجوں میں موجودہ نصاب مع تعلیم دینیات کے فارغ ہونیکے بعد خالص اسلامی تعلیم کی جماعتیں کھول دی جائیں غرضیکہ اس قسم کی تمام ترقیاں ہم کر سکتے ہیں۔ ہمیں کوئی رکاوٹ نہیں۔ اور جو کام صلح و صفائی سے نکل سکتا ہے خواہ مخواہ اس کے حاصل کرنے میں دشوار گھاٹیاں پیدا کر لینا کونسی عقلمندی ہے۔ باقی رہا انگریزی زبان کی تعلیم ۔ سو پہلے تو علماء اسلام کا اس کی نسبت حرمت کا فتوے تھا۔ مگر ساتھ ہی جب دینیات کی تعلیم کا طریق الگ پیدا کیا گیا تو جواز بھی ہو گیا تھا۔ جیساکہ مولانا اشرف علی صاحب دام فیضہٗ اپنی ایک تصنیف میں کہتے ہیں کہ جس طریق سے انگریزی تعلیم حرام تھی۔ اب بھی حرام ہے۔ اور جس طریق سے جائز تھی اب بھی جائز ہے۔ اس لئے تعلیم اور الحاق کی نسبت شرعی سوال کرنا بالکل نامناسب ہے۔

ہاں سیاسی رو سے یہ اعتراض قابل توجہ ہے کہ موجودہ کورس دہریت سکھلاتے ہیں۔ اور ہمیں اپنے مذہب سے بے خبر کر رہے ہیں۔ سو اس کا جواب بھی آسان ہے کہ تمام مسلم سکول اور کالج متفقہ طور پر اس کا احساس پیدا کریں۔ یہ وقت بھی جاتی رہے گی۔ بالخصوص جبکہ مسلم یونیورسٹی کا قیام ہو گیا ہے تو اور بھی وسعت ہو گئی ہے۔ لوگ کہا کرتے ہیں کہ بیٹھنے کی جگہ دو لیٹنے کی خود بخود بن جائے گی۔ اس اصول سے حکومت کی طرف سے جو رعائتیں یا حقوق ملتے ہیں۔ ان کو منظور کر کے دوسرے حقوق کی درخواست کرنی چاہئے اسی طریق سے آہستہ آہستہ قوم کو وہ حقوق حاصل ہو جائیں گے جو ڈنڈے سوٹے سے حاصل نہیں ہو سکتے۔

اسی طرح گرانٹ یا مالی امداد غنیمت ہے بجائے ترک کرنے کے زیادہ لینی چاہئے۔ اور باقی جو نقص ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کے رفع کرنے میں کوشاں ہو کر صدائے احتجاج بلند کرنی چاہئے۔ نہ یہ کہ موجودہ آمدنی اور مالیت پر بھی خیرباد کا فاتحہ پڑھا جائے۔ صرف اس لئے کہ یہ تعلیم مکاتی طور پر ہمیں قید عبودیت میں جکڑتی جا رہی ہے۔ حالانکہ موجودہ تعلیم جدید یعنی نیشنل سکولوں کا نصاب بھی ہمیں کسی ملک کا بادشاہ نہیں بنا دیتا۔ اور مطلقاً اس کی خبر نہیں دیتا کہ سوائے دوکانداری یا آوارہ گردی کے اور کس عہدے پر پہنچ کر قوم کی بہتری کر سکتے ہیں۔ بہر حال گرانٹ کا حاصل کرنا جبکہ خود ہمارا ہی روپیہ ہے۔ اور بالخصوص جبکہ اس سے دنیاوی تعلیم حاصل کرنا مطلوب ہے تو کیوں ایسے وسائل یعنی گرانٹ وغیرہ کو ترک کر کے اپنے قومی بچوں کی تعلیم کا سدباب کریں ورنہ خواہ مخواہ وسعت کو چھوڑ کر تنگی اختیار کرنا عند العقل و عند الشرع بیجا ہو گا۔

وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ